جاری کردہ
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

۱۹۹۴

مدیر: خرم مراد

ادارۂ ترجمان القرآن

کیا آپ نے

ایسی کتاب کا مطالعہ کیا ہے؟

جس کی بدولت

- بہت سے منکرِ دین مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔
- جو دنیا کی بہت سی زبانوں میں چھپ رہی ہے۔
- جس کی کروڑوں جلدیں دنیا کے گوشے گوشے میں زیرِ مطالعہ ہیں۔

اپنے دین کی حقیقت جاننے کے لیے آپ بھی:

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تصنیف

دینیات

کا مطالعہ کیجیے

جامع مگر مختصر اور عام فہم تشریحات سے آراستہ ایک ایمان افروز کتاب، جس سے عام اردو دان احباب سے لے کر تعلیم یافتہ حضرات بھی یکساں طور پر استفادہ کر سکتے ہیں۔

سکولوں اور کالجوں میں منظور شدہ ● ہر بک سٹال سے دستیاب

صفحات: ۱۷۶ ● قیمت: -/30 روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اردو بازار، لاہور

ماہنامہ
ترجمان القرآن
مدیر: خرم مراد
جلد ۱۲۰ | جون ۱۹۹۴ ذوالحجہ ۱۴۱۴ | عدد ۶

فہرست مضامین

برائے ادارتی امور

منصورہ' ملتان روڈ' لاہور ۵۴۵۷۰' فون نمبر ۸-۵۴۰۱۴۴-۵۷' فیکس (۰۴۲) ۵۴۳۷۱۹-۵۷

برائے انتظامی امور

رحمٰن مارکیٹ' اردو بازار' لاہور ۵۴۰۰۰' فون نمبر ۷۲۳۴۰۱۴-۷۲۳۶۶۶۵' پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ ترجمان القرآن لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔ کراس چیکس قابل وصول نہ ہوں گے۔

قیمت فی شمارہ -/۱۰ روپے ○ زر سالانہ : ۱۰۰ روپے (اندرون ملک)

عرب ممالک' خلیجی امارات و برصغیر: ۵۰۰ روپے' یورپ : ۶۰۰ روپے' امریکہ و آسٹریلیا : ۷۰۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز' لاہور سے چھپوا کر دفتر' ترجمان القرآن' اچھرہ' لاہور سے شائع کیا۔

اِدارۂ ترجمانُ القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ اچھرہ لاہور (پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

پروفیسر خورشید احمد

کشمیر کی تحریکِ آزادی کے معروضی حقائق ' پاکستان کے لیے کشمیر کی تاریخی' نظریاتی' جغرافیائی' معاشی ' سیاسی ' تہذیبی اور عسکری اہمیت ' پاکستانی عوام اور کشمیری مسلمانوں کے جذبات اور عزائم کی یکسانیت کے پس منظر میں جب پاکستان کی حکومتوں کی کشمیر پالیسی کا بے لاگ تجزیہ کیا جائے تو حاصل مایوسی اور تشویش کے سوا کچھ نہیں۔ ہر سیاسی قیادت ' الاّ ماشا اللہ ' کشمیر کے بارے میں ایک واضح ' مبنی بر حقیقت ' جرات مندانہ اور مربوط پالیسی اختیار کرنے میں ناکام رہی ہے۔ایک طرف قائد اعظم کے یہ الفاظ دل و دماغ میں گونجتے ہیں کہ "کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے" اور دوسری طرف اس شہ رگ کی حفاظت سے ایسی غفلت' سہل انگاری اور ژولیدہ فکری نظر آتی ہے جس کی کوئی توجیہ ممکن نہیں۔

فکری انتشار کا پہلا مظہر ریاستوں کے بارے میں عمومی پالیسی کا تضاد تھا۔ اس میں یہ بنیادی نکتہ ملحوظ نہ رکھا گیا کہ ریاستوں کی قسمت کا آخری فیصلہ اس کے عوام کی رائے ہی سے ممکن ہے۔ پھر جتنے مواقع مسئلہ کے حل کے آئے' امریکہ کی خوشنودی' اپنی کم ہمتی 'یا کبھی مجبوری کی وجہ سے سب ضائع کر دیے گئے۔ ہندوستان نے کشمیر پر قبضہ کے لیے فوجی قوت کا سہارا لیا تو قائد اعظمؒ نے جوابی فوجی کارروائی کا حکم دیا ' مگر پاکستانی فوج کی انگریز قیادت نے ان احکام پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح ایک نادر تاریخی موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ جب ہندوستان پر عوام اور مجاہدین کا دباؤ بڑھا تو اس نے اقوامِ متحدہ کی راہ لی۔ یہاں بھی پاکستان نے ایسے موقع پر جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا جب مسلم قوتوں کا پلڑا بھاری ہو رہا تھا اور مسئلہ کا عوامی حل قریب نظر آرہا تھا۔ ہندوستان نے نازک تاریخی لمحات کو غیر موثر بنانے کے لیے بار بار مذاکرات کا چکر چلایا' اور پاکستان کی قیادت ہر بار اس جال میں پھنستی رہی۔ سب سے اہم موقع ۱۹۶۲ کی چین -

بھارت جنگ نے فراہم کیا تھا ' لیکن ہم ہندوستان کے سفارتی جھانسہ کا شکار ہو گئے اور مذاکرات کی بھول بھلیوں میں ایک اور تاریخی موقع کو ضائع کر دیا۔ ۱۹۶۵ میں مناسب تیاری اور مقبوضہ کشمیر میں زمین ہموار کیے بغیر ایک بڑا اقدام کر دیا گیا' جس کے نتیجہ میں بالآخر تاشقند کی ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا ' علاقہ میں روس کا عمل دخل بڑھ گیا ' اور ہندوستان اور روس کے تعاون نے علاقہ کی سیاست کے نقشے کو ہی تبدیل کر دیا۔ ۱۹۷۱ کی شکست کے بعد شملہ معاہدہ کیا گیا جس کے ذریعہ ہندوستان نے کوشش کی کہ کشمیر کے مسئلہ کو ایک بین الاقوامی مسئلہ کے بجائے محض پاکستان اور ہندوستان میں "دو طرفہ معاملہ" بنا دے ۔ بلکہ اس کا اصل مقصد تو "جنگ بندی لائن" کو "لائن آف کنٹرول" میں تبدیل کر کے' اسے بالآخر بین الاقوامی سرحد میں تبدیل کرنا تھا۔ ہندوستان کے سفارت کاروں کا دعویٰ بھی ' یہی ہے کہ اس بات کو جناب بھٹو سے تسلیم کرا لیا گیا تھا۔ مگر ایسی کوئی چیز تحریری شکل میں موجود نہیں ہے ' بلکہ معاہدہ شملہ میں بین الاقوامی معاہدات اور اقوام متحدہ کے چارٹر کی بالادستی کو تسلیم کیا گیا ہے اور کشمیر کے مسئلہ کے "آخری حل" کی ضرورت کا اقرار کیا گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے بعد بین الاقوامی اداروں میں مسئلہ کشمیر کو اٹھانے سے عملاً احتراز کیا گیا۔

گزشتہ ۹ سال میں سات حکومتیں برسرِ اقتدار رہی ہیں۲۔' ان میں سے ہر ایک نے چند نیم دلانہ اقدامات عوام کو خوش کرنے کے لیے اور جہادِ کشمیر کی تقویت کے لیے کیے تو اسی لمحے بیرونی ممالک کے دباؤ اور اپنی کم ہمتی کے باعث ایسے اقدامات بھی کیے جن سے اس عظیم جدو جہد کو شدید نقصانات پہنچے۔ پیپلز پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد' دسمبر ۱۹۸۸ میں راجیو گاندھی کی آمد پر' اسلام آباد سے کشمیر ہاؤس کا بورڈ اتروا دینا' اور ریڈیو ٹی وی سے آزاد کشمیر کے موسم کے اعلانات روک دینا' صرف بزدلی ہی نہیں 'کشمیر کے بارے میں کمزوری اور رجعتِ قہقری کی علامت بھی تھا۔ پھر جب ہندوستان کے وزیرِ اعظم نے کشمیر میں ریفرنڈم نہ کرانے کے جواب میں کہا کہ وہاں آٹھ بار انتخاب ہو چکا ہے' تو پاکستان کی وزیر اعظم خاموش بیٹھی رہیں۔ انھیں اتنا کہنے کی جرات بھی نہ ہوئی کہ یہ ہندوستان کا موقف ہے ' ہمارا موقف اس سے جدا ہے۳۔

اسی طرح سکھوں کے بارے میں جو روش اختیار کی گئی ' اور جس کا حال ہی میں اعتراف بھی کر لیا گیا ہے ' اس سے بھی کشمیر میں جہاد کمزور ہوا' پنجاب کے بارے میں اطمینان کا سانس لینے کے بعد بالآخر ہندوستان نے کشمیر میں بھی اپنی عسکری قوت میں تقریباً پچاس فیصد کا اضافہ کر لیا۔

جناب نواز شریف کشمیر کی آزادی کے نعرے پر انتخاب جیت کر وزیرِ اعظم بنے' لیکن امریکہ

کے دباؤ کی مزاحمت نہ کر سکے۔ جب پاکستان کو "دہشت گرد ریاست" قرار دینے کی دھمکی دی گئی' تو ان کی حکومت نے بوکھلا کر گھٹنے ٹیک دیے۔ تیسرے آپشن کی باتیں کی گئیں' تحریک کی امداد سے دست کشی کا آغاز کیا گیا' اور اسے غیر حکومتی اداروں (NGOs) کے ہاتھوں میں منتقل کرنے کی منصوبہ بندی ہوئی۔ عالمی سطح پر جتنی سرگرمی کی ضرورت تھی اس کا عشرِ عشیر بھی نہ کیا گیا۔ تیس مہینے اقتدار میں رہنے کے باوجود کشمیر کے بارے میں مربوط اور یکساں پالیسی نہ بنائی گئی۔ ان کے دور میں لبریشن فرنٹ کی پشت پناہی کی گئی' مجاہدین کو آپس میں تقسیم کیا گیا' اور تحریک کی امداد کے لیے کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھایا گیا۔

جناب معین قریشی' نے کشمیر کے مسئلہ کو نیوکلیر پالیسی سے جوڑ کر' خود نیوکلیر پالیسی کو نئے کنفیوژن میں لپیٹ دیا۔ حالانکہ نیوکلیر پاور کی جتنی ضرورت جہادِ کشمیر کے دوران ہے' اس سے زیادہ ضرورت اس کی کامیابی کے بعد ہو گی' تاکہ پاکستان اور کشمیر کی حفاظت ہو سکے۔

پیپلز پارٹی کی موجودہ حکومت گو زبانی طور پر اب کشمیر کے مسئلہ میں زیادہ دلچسپی لے رہی ہے' لیکن فی الحقیقت اب بھی حکومت ایک مربوط اور مؤثر پالیسی سے محروم ہے۔ وزارتِ خارجہ کسی اور ذہن سے کام کر رہی ہے' اور کچھ دوسرے ادارے کسی اور انداز میں۔ اقتدار سنبھالتے ہی اقوامِ متحدہ سے کشمیر کی قرارداد واپس لے لی گئی' جو ایک فاش غلطی تھی۔ پھر جس طرح جنیوا میں معاملہ کیا گیا اس کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا
کارِ طفلاں تمام خواہد شد

حکومت نے مسئلہ کو اٹھانے کے لیے ایک ایسے فورم کا انتخاب کیا جس میں صرف بنیادی حقوق کی بات ہو سکتی تھی' لیکن حقِ خود ارادیت کے معاملہ کو نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ پھر ہندوستان کی سفارتی مہم کے مقابلہ میں بڑے کمزور اور غیر مؤثر انداز میں وہاں پاکستان کا موقف پیش کیا گیا: متعلقہ ممالک کی تائید حاصل کرنے کی مہم غیر مرتب تھی' سفارتی ٹیم کمزور اور غیر مؤثر تھی' حقائق کا عدم ادراک اور صحیح معلومات کا فقدان تھا' قوم کو آخری وقت تک خوش فہمیوں میں مبتلا رکھا گیا' اور آخری وقت میں اپنے پرانے دوستوں --- چین اور ایران --- کی بھی مکمل تائید سے محروم ہو کر قرارداد کو واپس لیا گیا --- اور واپس لینے کے بعد سے آج تک یہ رٹ لگائی جا رہی ہے کہ قرارداد معلق ہے' واپس نہیں لی گئی' اور اس سفارتی شکست کو ایک کامیابی بنا کر پیش کرنے کی بھونڈی کوشش کی جا رہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس بات کی ضرورت ہے کہ کشمیر پر ایک حکیمانہ اور جرات مندانہ پالیسی بالکل واضح اور دو ٹوک انداز میں مرتب ہونا چاہیے۔ اس پر حکومت اور حزبِ اختلاف دونوں کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہونا چاہیے۔ ضرورت ہے کہ زندگی اور موت کے اس مسئلہ کو سیاست کا کھلونا نہ بنایا جائے۔ سنجیدہ غور و فکر اور مخلصانہ مذاکرات کے ذریعہ ایک ایسی موثر پالیسی وضع کرنے کے ساتھ ساتھ' اس کے نفاذ کے لیے قومی سطح پر موثر مشینری بھی قائم کرنا چاہیے۔

کشمیر پر قومی پالیسی کیا ہو؟ یہ طے کرنے سے پہلے دو امور کا جائزہ ضروری ہے۔ پہلا یہ کہ اس وقت ہندوستان کے اسٹریٹجک عزائم کیا ہیں' اور کشمیر کے بارے میں اس کی حکمتِ عملی کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ امریکہ اور مغربی اقوام' بظاہر سرد جنگ کے ختم ہو جانے اور ان کے اپنے زعم میں ایک قسم کی یک مرکزی دنیا (unipoler world) کے وجود میں آنے کے بعد' اس علاقے میں کیا کھیل کھیل رہی ہیں اور ان کے اہداف کیا ہیں۔ پاکستان کی کشمیر پالیسی کی تشکیل میں ان دونوں عوامل کو ملحوظ رکھنا' اور ان کی روشنی میں منصوبہ بندی کرنا ضروری ہے۔

ہندوستان کا اصل ہدف نہ صرف ایک علاقائی سپر پاور بننا' بلکہ ایک ورلڈ پاور بننا ہے' جسے اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل میں بھی ایک مستقل نشست حاصل ہو۔ کشمیر کے بارے میں ہندوستان ابھی تک اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ اسے قوت کے ذریعہ سے اپنے قابو میں رکھ سکتا ہے۔ جنیوا میں جو محدود سفارتی کامیابی اسے حاصل ہوئی ہے' اس نے اس کے نشہ کو کچھ اور بھی بڑھا دیا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا ہے کہ کانگریس اور بی جے پی' کشمیر کی حد تک' ایک دوسرے سے قریب آگئے ہیں' اور ان کے پالیسی کے اہداف میں یکسانی پیدا ہو رہی ہے۔ ہندوستانی پارلیمنٹ میں کشمیر پر جو مذموم قرار داد منظور ہوئی ہے' وہ ہندو انتہا پسندوں کی فکر کی غماز ہے۔ اب ہر فورم پر جن بحثوں کو اٹھایا جارہا ہے' وہ بھی بی جے پی کے ذہن کی پیداوار ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ہندوستان کی پالیسی میں تشدد اور عدم لچک میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ اس پر وہاں کے سوچنے سمجھنے والے عناصر کی تشویش میں اضافہ ہوا ہے' کیونکہ اصل زمینی حقائق سے یہ پالیسی بہت دور ہے۔ ان شاء اللہ اس کا انجام بالآخر اس سے مختلف نہیں ہو سکتا جو روس کی اسی نوعیت کی افغان پالیسی کا ہوا۔

۱۔ ہندوستان کا پہلا ہدف' کشمیر کو ہر صورت میں اپنے قابو میں رکھنا ہے۔ اس مقصد کے

حصول کے لیے وہ ایک طرف کشمیر میں اپنی تشدد کی پالیسی کو اس انتہا تک لے جا رہا ہے جسے عسکری اصطلاح میں زمین سوز حکمتِ عملی (Scortch earth policy) کہتے ہیں۔ یعنی' ہر چیز راکھ کر دو ---- فصلیں' عمارتیں' انسان ---- اور اس طرح دشمن پر قابو پا لو۔

۲ - دوسری طرف وہ سیاسی بات چیت کا کھیل بھی کھیلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پرانے سیاسی مہروں کو دوبارہ حرکت میں لایا گیا ہے۔ چاون اور راجیش پائلٹ' دونوں نے مذاکرات کا دروازہ کھولنے کے لیے نئی کوششیں شروع کی ہیں۔ دستور کی دفعہ ۳۷۰ کے دائرے میں' بلکہ اس سے باہر بھی' بشرطیکہ ہندوستان سے وابستگی رکھی جائے' مزید خودمختاری کے اشارے دیے جا رہے ہیں۔ اس بارے میں کئی نئے شوشے بھی چھوڑے جا رہے ہیں۔ مگر ابھی تک کسی سمت سے بھی کوئی مثبت ردِّعمل سامنے نہیں آیا ہے۔

۳ - ہندوستان کا تیسرا ہتھیار' مجاہدین اور تحریکِ آزادی کے سیاسی محاذ کے درمیان پھوٹ ڈالنا' مجاہدین کی تنظیموں کو ایک دوسرے سے دست و گریبان کرنا' ان کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنا' اور اس طرح ان کی صفوں کو کمزور اور منتشر کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ اوز حزب المجاہدین کو آپس میں لڑانا' اور فرنٹ کے ذریعہ پاکستان دوست قوتوں کو کمزور کرنا' نیز کل جماعتی حریت کانفرنس میں انتشار پیدا کرنا ہے بھی اس کے منصوبے ہیں۔ ۴۔

۴ - ہندوستان کی پالیسی کا ایک اور شاطرانہ حصہ' "تیسرا آپشن" یعنی خود مختار کشمیر ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ کچھ لوگ خلوص سے بھی "آزادی" کی بات کرتے ہوں گے' لیکن یہ ہندوستان کی پالیسی کا بڑا اہم حصہ ہے۔ اس نے اسے آخری حربے کے طور پر اپنی پالیسی کا حصہ بنایا ہے' کہ کشمیر ہندوستان کا حصہ نہ رہ سکے تو پھر وہ پاکستان سے مل کر پاکستان اور برصغیر کے مسلمانوں کی قوت میں اضافہ کا ذریعہ بھی نہ بن سکے۔ بلکہ ایک ایسی کمزور آزاد مملکت وجود میں آجائے جسے مفاد کی جنگ میں بہ آسانی استعمال کیا جا سکے۔

امریکہ اور چند مغربی اقوام بھی اپنے مفاد کے چکر میں کسی ایسے ہی نظام کی فکر میں ہیں جس کے ذریعہ ان کو ایشیا کے اس اہم اور حساس علاقے میں اپنے قدم جمانے اور اپنے مفاد کی خاطر ایک کمزور ملک کی حیثیت سے کشمیر کو استعمال کرنے کا موقع مل سکے۔

۵ - ہندوستان ایک طرف پاکستان پر مسلسل فوجی دباؤ بھی بڑھا رہا ہے' اور دوسری طرف امریکہ اور مغربی ممالک میں پاکستان کے خلاف زبردست سفارتی مہم چلا رہا ہے' تاکہ دوسرے ممالک سے پاکستان پر فوجی' معاشی اور سیاسی دباؤ ڈلوایا جا سکے۔

یہ پانچ نکاتی حکمتِ عملی ہے' جس پر ہندوستان کاربند ہے۔ یہ حکمتِ عملی بالکل فوجی حکمتِ عملی کے طور پر بنائی گئی ہے۔ یعنی بظاہر ایک دوسرے سے غیر مربوط اہداف' لیکن دراصل مختلف امکانات کو سامنے رکھ کر' متبادل ترجیحات کی صورت میں ان کو ایک ہی پالیسی کا حصہ بنایا گیا ہے۔ تاکہ اگر ایک ہدف حاصل نہ ہو سکے' تو دوسرا یا تیسرا حاصل کیا جا سکے' اس طرح خود مذاکراتی پوزیشن میں تغیرّ و تبدیلی بھی ممکن ہو سکے۔

"خود مختار کشمیر" کی بات ہندوستان نے اسی وقت سے شروع کر دی تھی جب اسے ابتدائی دور ہی میں یہ اندازہ ہونے لگا تھا کہ اگر استصوابِ رائے ہوا تو اس کے نتیجہ میں کشمیر کے عوام پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کریں گے۔ حالانکہ اقوامِ متحدہ کی قرارداد میں صرف دو آپشن واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں' یعنی ہندوستان یا پاکستان سے الحاق۔ ۲۸ جنوری ۱۹۴۸ کو اقوامِ متحدہ کی سیکورٹی کونسل کے صدر نے مسئلہ کی جامع اور قاطع تشکیل اس طرح کی :

جو وثائق ہمارے سامنے ہیں وہ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ دونوں پارٹیوں (یعنی ہندوستان اور پاکستان) کے درمیان مندرجہ ذیل تین امور پر مکمل اتفاق ہے :

(۱) یہ سوال کہ ریاست جموں و کشمیر کا الحاق ہندوستان سے ہو گا یا پاکستان سے' اس کا فیصلہ استصوابِ رائے کے ذریعہ ہو گا۔

(۲) استصواب کا انعقاد ایسے حالات میں کیا جائے گا جن کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ مکمل طور پر غیر جانبدار ہیں۔

(۳) یعنی یہ استصواب اقوامِ متحدہ کے زیرِ اہتمام منعقد ہو گا۔

یہی وہ موقعہ تھا کہ ہندوستان کے نمائندوں نے "خود مختار کشمیر" کا شوشہ چھوڑا۔ گوپال سوامی آئنگر نے' جو اقوامِ متحدہ میں ہندوستان کے نمائندہ تھے' ۱۵ جنوری ۱۹۴۸ کو کہا :

ہم سب نے اتفاق کیا ہے کہ [کشمیر کے] معاملات کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق فیصلہ طلب امور ہیں۔ ان میں یہ مسئلہ بھی شامل ہے کہ آیا کشمیر ہندوستان سے اپنے الحاق کی نفی کرتا ہے' یا پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کرتا ہے' یا آزاد رہنے کا فیصلہ کرتا ہے' جس میں وہ خود اقوامِ متحدہ کا رکن بن سکے۔

اس کے بعد ۱۹۶۴ میں شیخ عبد اللہ پاکستان آئے' اور فیلڈ مارشل ایوب سے ملاقات کی۔ اس میں انھوں نے "خود مختار کشمیر" اور کشمیر' ہندوستان اور پاکستان کے کنفیڈریشن کی بات کی' جسے

صدرِ پاکستان نے مؤثر انداز میں رد کر دیا' اور کہا کہ یہ ایک آپشن نہیں' ایک استعماری سازش ہے۔ بقول الطاف گوہر' اس مسئلہ پر شیخ عبد اللہ نے یہ بھی کہا کہ "اہلِ کشمیر کا مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے"۔۵۔

بد قسمتی سے ایک زمانے سے خود پاکستان کی وزارتِ خارجہ اور کچھ دوسری ایجنسیوں کے چند "دانشور" اس بات کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ وہ اپنی خام خیالی میں اسے ہندوستان پر دباؤ ڈالنے کا ایک مؤثر ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ اپنے ملک اور ملتِ اسلامیہ کے حقیقی عزائم اور مفادات سے بے خبری' اور خود اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی چلانے کی اس سے زیادہ افسوس ناک مثال اور کیا ہو سکتی ہے!

کشمیر کی تحریکِ مزاحمت آج اس مقام پر پہنچ گئی ہے کہ کشمیر کا ہندوستان سے وابستہ رہنا ناممکن ہوتا جا رہا ہے' اس لیے "خود مختار کشمیر" کی بات کو مختلف شکلوں اور منصوبوں کی صورت میں ایک بار پھر پیش کیا جا رہا ہے۔ ضروری ہے کہ اس کے نتائج و عواقب کو سامنے رکھا جائے۔

ہندوستان کا اصل مقصد تحریکِ مزاحمت کو کمزور کرنا' کشمیر کے مسلمانوں کو الجھاووں میں ڈالنا' تحریک کو پاکستان اور اہلِ پاکستان کی ہمدردیوں سے محروم کرنا' اور بالآخر ---- اگر ہندوستان کے لیے کشمیر پر قبضہ ناممکن ہو جائے ---- اسے حقیقی آزادی' اور پاکستان سے مل کر ایک مؤثر قوت بن جانے سے روکنا ہے۔ وہ کسی صورت بھی پاکستان کو مضبوط دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر کشمیر ہاتھ سے جاتا ہے جب بھی وہ خود مختار کشمیر کے شوشے کے ذریعہ کشمیر اور پاکستان کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرے' اور کشمیر کے ان عناصر کے ساتھ ساز باز کے ذریعہ جو اب تک بھی اس کا آلہ کار بنے رہے ہیں' کشمیر کی اسلامی قوتوں سے ان کو نبرد آزما کرے' کشمیریوں کو مسلسل لڑاتا رہے' اور کشمیر اور پاکستان میں نزاع اور تصادم پیدا کرے۔ تاکہ پاکستان اور کشمیر دونوں کو کمزور کرنے کا کھیل کھیل سکے۔

یہاں مغربی اقوام کے کردار کا ذکر بھی ضروری ہے۔ امریکہ نے پہلے تو مسئلہ کے وجود کا اعتراف کرنے سے احتراز کیا۔ لیکن جب انسانی حقوق کی پامالی اور خود امریکی رائے عامہ اور ارکانِ کانگریس کے دباؤ سے اسے اس مسئلہ کو تسلیم کرنا پڑا' تو اس کے پالیسی ساز ایسے منصوبے بنانے میں مشغول ہو گئے جن سے علاقے میں امریکی مقاصد کو حاصل کرنے میں مدد مل سکے۔

امریکہ ایک طرف اس علاقے میں ہندوستان کی بالا دستی کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ

پورے جنوب اور جنوب مشرقی ایشیا میں ہندوستان کو ایک بڑی طاقت کی حیثیت سے تسلیم کرانا چاہتا ہے۔ اس کا ایک مقصد چین کے مقابلہ میں ایک ایسی قوت کی پشت پناہی ہے جو ایشیا میں طاقت کے توازن کو متاثر کرسکے۔ نیز صیہونی اور سیکولر لابی نے جس طرح اسلامی احیا کی تحریک کو امریکہ اور مغرب کے ابھرتے ہوئے دشمن کی طرح پیش کیا ہے' اس پس منظر میں بھی سیکولر ہندوستان کو' جو اب سوشلزم سے تائب ہو کر سرمایہ داری کا علمبردار بن چکا ہے' ایک حلیف کی حیثیت دی جا رہی ہے۔ امریکہ کے دانشوروں کی طرف سے اس زمانہ میں چند تجاویز پورے زور شور سے پیش کی جا رہی ہیں۔ ان سب کا اصل مقصد ہندوستان کی اس حیثیت کا تحفظ اور علاقے میں امریکہ کے اپنے قدم مضبوط کرنا ہے۔ مثلاً

۱۔ کشمیر میں موجودہ لائن آف کنٹرول ہی کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لیا جائے' اور اس طرح معاملہ کو رفع دفع کر دیا جائے۔

ہندوستان کا تو معاہدہ شملہ کے بعد ہی سے یہ ہدف رہا ہے۔ اہلِ کشمیر اور پاکستان نے اس کو بالکل مسترد کر دیا ہے' پھر بھی امریکی اور ہندوستانی دانشور برابر اس کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔ اس کی تازہ ترین مثال امریکن کانگریس کی امورِ خارجہ کمیٹی کے سربراہ' لی ہملٹن کی وہ تقریر ہے جو واشنگٹن کی ایشیا سوسائٹی کے اجلاس میں کی گئی۔ اس سے پہلے سیلگ ہیری سن اور سٹیفن سولارز' جو انڈیا لابی کے سرخیل رہے ہیں' ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد بنانا پاکستان اور اہلِ کشمیر کے لیے تو ہمیشہ ہی سے ناقابلِ قبول تھا' اب سیاسی اور تاریخی حقائق کی روشنی میں بھی یہ ناقابلِ غور ہو گیا ہے۔ یہ منصوبہ ان شاء اللہ بہت جلد اپنی موت آپ مرجائے گا۔

۲۔ جس سکیم پر زیادہ کام ہو رہا ہے' وہ یہ ہے کہ جموں اور لداخ کے ہندو اکثریت کے علاقے ہندوستان میں مدغم کر دیے جائیں' باقی علاقے کو ایک آزاد یا نیم آزاد ریاست کی شکل دے دی جائے۔ اس کی مختلف شکلیں بیان کی جارہی ہیں' یعنی'

(الف) گلگت اور شمالی علاقہ جات پاکستان میں ملا دیے جائیں' اور موجودہ آزاد کشمیر سمیت باقی حصے کو ایک آزاد یا نیم آزاد ریاست بنا دیا جائے۔

(ب) گلگت' شمالی علاقہ جات اور آزاد کشمیر کو پاکستان میں ملا دیا جائے' اور صرف کشمیر کی وادی اور جموں کے مسلم علاقوں کو ملا کر ایک ریاست بنائی جائے۔

(ج) "خود مختار کشمیر" کو' (اس کی حدود جو بھی طے ہوں)' ہندوستان اور پاکستان دونوں کی

سرپرستی اور مشترکہ حاکمیت (Condiminium) کے تحت رکھا جائے۔

(د) "خود مختار کشمیر" کو ۵ سے ۱۰ سال کے لیے اقوامِ متحدہ کی ٹرسٹی شپ میں دے دیا جائے۔

(ھ) "خود مختار کشمیر" مکمل طور پر آزاد ہو' اور اس کی ترقی کے لیے امریکہ اور مغربی ممالک اسی طرح مدد کریں جس طرح غزہ اور اریحہ کے فلسطینی علاقہ کے متعلق منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔

۳۔ ایک سکیم یہ بھی ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کو ایک وحدت رکھا جائے' مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر کو ملا کر ایک ریاست بنے' اور یہ پوری ریاست مکمل طور پر ایک آزاد ریاست ہو۔ اسے اقوامِ متحدہ کی ٹرسٹی شپ میں دیا جائے' یا یہ ہندوستان اور پاکستان کی مشترکہ حاکمیت میں ہو۔

ہماری نگاہ میں یہ سب تجاویز مسلمانانِ کشمیر اور پاکستان کے خلاف سازش کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا اصل مقصد مسئلہ کشمیر کو حل کرنا نہیں' مستقل الجھا دینا ہے۔ اور علاقہ میں دائمی کشمکش اور خود مسلمانوں کے درمیان تصادم اور افتراق کا بیج بونا ہے۔

سیدھی بات یہ ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے مسئلہ کا تعلق تقسیمِ ملک کی اس سکیم سے ہے جس پر ہندوستان اور پاکستان کی ریاستیں قائم ہوئیں۔ مسئلہ کی سیاسی' اخلاقی اور قانونی بنیاد تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا ہے' جسے ہندوستان نے آج تک مکمل نہیں ہونے دیا۔ اب وہ چاہتا ہے کہ اتنی قربانیوں کے باوجود یہ معاملہ طے نہ ہو پائے۔ ہندوستان نے اپنے مفاد کی خاطر تو حیدر آباد جیسی ریاست پر قبضہ کیا' گوا جیسے بین الاقوامی علاقہ کو فوج کشی کے ذریعہ اپنے قبضہ میں لیا' کشمیر کو بہ زور اب تک اپنے قابو میں رکھا' سکم اور بھوٹان کی حاکمیت کا مذاق اڑایا' مالدیو میں فوج بھیجی' مشرقی پاکستان کو فوج کشی کے ذریعہ پاکستان سے کاٹا' سری لنکا میں کھلی کھلی مداخلت کی۔ لیکن اب جبکہ کشمیر کا مسئلہ صحیح رخ پر عوام کی مرضی کے ذریعہ سے حل ہونے کی امکانات پیدا ہو گئے ہیں' تو اس مسئلہ کو مزید الجھانے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ اگر ایک مرتبہ ہم تقسیم ملک کے اساسی اصول سے انحراف کرتے ہیں تو پھر منصفانہ حل کے پیچھے کوئی قانونی اور سیاسی بنیاد باقی نہیں رہے گی۔

مسئلہ کشمیر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہندوستان نے گذشتہ ۴۷ سالوں میں جموں و کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب کو ایک منصوبہ کے تحت کم کیا ہے۔ ۱۹۴۱ کی مردم شماری کے مطابق مسلمان پوری ریاست کی آبادی کا ۸۰ فی صد تھے۔ 1951 میں مقبوضہ کشمیر میں ان کا تناسب ۷۰ فی

صد رہ گیا۔ ۱۹۹۱ کی مردم شماری کے مطابق اب یہ تناسب ۶۲ فی صد ہو گیا ہے۔ ان حالات میں یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ' اگر استصواب ہوا اور اس میں دو کی بجائے تین آپشن دیے گئے' تو ہندو آبادی اور مفاد پرست مسلمان متفقہ طور پر ہندوستان کے حق میں رائے ڈالیں' اور باقی مسلمانوں کا ووٹ پاکستان اور خود مختار کشمیر کے درمیان بٹ جائے۔ اس طرح ہندوستان وہ مقصد حاصل کر لے جو وہ آج تک نہ سیاسی چالوں سے حاصل کر سکا اور نہ عسکری قوت سے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جغرافیائی' معاشی' اسٹریٹجک وجوہ سے اس حساس علاقے میں کسی چھوٹی سی ریاست کا آزاد رہنا مشکل ہے۔ یہی ہندوستان اور مغربی اقوام کا مقصد ہے کہ اس علاقے میں ایک ایسی کمزور ریاست بن جائے جس کا انحصار ان کی مدد پر ہو' اور اس طرح وہ پاکستان اور چین کی سرحد پر اپنے قدم جما سکیں اور علاقے کو مستقلاً ایسی سازشوں اور علاقائی تنازعات کی آماجگاہ بنا سکیں۔ چین پر اس کے دور رس اثرات ہوں گے' اور چین اور تبت میں بھی اس طرح انتشار اور افتراق کے بیج بوئے جا سکیں گے۔

اس طرح نظریاتی اعتبار سے بھی اس علاقے کو' نہ صرف یہ کہ اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ بننے سے روکا جا سکے گا بلکہ مغربی ثقافت' تہذیب اور معیشت کے اثرات کے لیے سارے دروازے کھولے جا سکیں گے۔ خود اسرائیل کے مشیر اور پالیسی ساز انھی خطوط پر علاقے کے مستقبل کے نقشے بنا رہے ہیں۔ ان تمام سازشوں کا مقابلہ صرف ایک صورت میں ممکن ہے۔ وہ ہے پاکستان سے ریاست جموں و کشمیر کا الحاق' اور پھر اس پوری قوت کا اسلامی احیا اور ایک مضبوط پاکستان کی تشکیل و تعمیر کے لیے استعمال۔

یہاں ہم ایک وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔ الحاق کے بعد' جہاں پاکستان کی تعمیر و ترقی میں مسلمانان جموں و کشمیر اپنا بھرپور کردار ادا کریں گے وہاں یہ پاکستان کا عہد ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے لوگوں کی مرضی سے یہ طے کیا جائے گا کہ پاکستان سے اس کے تعلق کی نوعیت' اور ریاست کا نظام چلانے کا نقشہ کار کیا ہو گا۔ اس بات کی ضمانت پاکستان کے دستور میں دفعہ ۲۵۷ کی شکل میں دی گئی ہے۔ اور یہ دفعہ انھی الفاظ کے ساتھ ۱۹۵۶' ۱۹۶۲ اور ۱۹۷۳ کے دساتیر میں درج ہے:

> جب ریاست جموں و کشمیر کے عوام پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کریں' تو پاکستان اور مذکورہ ریاست کے درمیان تعلقات مذکورہ ریاست کے عوام کی خواہشات کے مطابق متعین ہوں گے۔ (دفعہ ۲۵۷)

ہندوستان یہ بات بھی بار بار پیش کرتا ہے کہ اگر ریاست جموں و کشمیر کا الحاق پاکستان سے ہو جائے تو اس کے بڑے خراب اثرات ہندوستان کے مسلمانوں پر پڑیں گے۔ ان کے جان و مال کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ ہندوستان مذہبی اور فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں آجائے گا۔ اس طرح یہ خود مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے۔ یہ دلیل جنیوا میں بھی بڑے شد و مد سے دی گئی۔ ساری عرب دنیا میں ہندوستان کے سفارت کار اس دلیل کو پیش کر رہے ہیں' اور چند ہندوستانی مسلمانوں کو بھی اس بات کو پھیلانے کے لیے آلہ کار بنا رہے ہیں۔ لیکن اگر ذرا سا غور کیا جائے تو اس دلیل کا بودا پن الم نشرح ہو جاتا ہے۔

پہلی' بات تو یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند کی تقسیم ایک اصول کی بنیاد پر ہوئی جسے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے تسلیم کیا۔ وہ اصول اگر ۱۹۴۷ میں صحیح تھا تو آج غلط کیسے ہو گیا؟

دوسری' بات یہ ہے کہ کشمیر کے مسئلہ کے حل اور ہندوستان اور پاکستان سے الحاق کے لیے استصواب کے راستے کو بھی ہندوستان' پاکستان' اقوام متحدہ اور کشمیری عوام نے تسلیم کیا' یہ ایک معاہدہ عمرانی ہے جس پر عمل ضروری ہے۔ اس کو فرقہ واریت کا نام دینا اور فرقہ وارانہ فسادات کا ہوا دکھا کر اس معاہدہ کو ختم کرنے کا آخر کیا جواز ہو سکتا ہے؟

تیسری' بات یہ ہے کہ گذشتہ ۴۷ سال سے ریاست جموں و کشمیر کا بڑا حصہ جبر کے ذریعہ ہندوستان کا حصہ رہا ہے۔ لیکن کیا اس وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کو کوئی تحفظ حاصل ہوا ہے' جموں و کشمیر کے مسلمانوں کو' یا خود ہندوستان کے مسلمانوں کو؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت بل کا واقعہ اسی زمانے میں ہوا اور مسلمانوں کے خون سے خود جموں و کشمیر میں ہولی کھیلی گئی؟ کیا یہ ایک حقیقت نہیں ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان میں خود سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۹ ہزار سے زیادہ مسلم کش فسادات ہوئے ہیں' جن میں لاکھوں مسلمان شہید اور زخمی ہوئے اور اربوں روپے کی ان کی املاک تباہ کر دی گئیں یا لوٹ لی گئیں۔ کیا کشمیر کے ہندوستان کا حصہ ہونے سے مسلمانوں کو کوئی تحفظ مل سکا؟ کیا اس زمانہ میں ہزاروں مسجدوں کو شہید نہیں کیا گیا؟ انھیں مندروں میں تبدیل نہیں کیا گیا؟ کیا بابری مسجد کو اسی زمانہ میں شہید نہیں کیا گیا' اور کیا کشمیر کا ہندوستان پر قبضہ اس ظلم کو روک سکا؟ اگر گذشتہ ۴۷ سال میں مسلمانان ہند کی قسمت نہ جاگ سکی تو کشمیر پر مزید قبضہ سے کیسے جاگ جائے گی؟

چوتھی' بات یہ غور طلب ہے کہ کیا برصغیر کی تقسیم اور دونوں ملکوں میں مسلمانوں اور غیر

مسلمان آبادی کی تقسیم کا معاملہ مسئلہ کشمیر سے مشروط تھا؟ کیا ہندوستان کے مسلمانوں کی قسمت کو کسی درجہ میں بھی اور کسی وقت بھی کشمیر کے مسئلہ سے وابستہ کیا گیا تھا یا آج ہی ہندوستان کے مسلمان کشمیر کے مستقبل کے بارے میں یرغمال بنا دیے گئے ہیں؟

پانچویں' بات یہ غور طلب ہے کہ خود کشمیر کے مسلمان آخر ہندوستان کے اقتدار کے خلاف کیوں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ حق خودارادیت اس کی اصل بنیاد ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ۴۷ سال میں جو تجربہ جموں و کشمیر کے مسلمانوں نے کیا ہے اس سے یہ بات ان پر حق الیقین کی حد تک واضح ہو گئی ہے کہ ہندوستان کی حکومت نے مسلمانوں کی آبادی کو کم کرنے' ان کے دین' ان کی ثقافت' ان کے اخلاق و کردار' ان کی تعلیم و تربیت' ان کی معیشت' ہر میدان میں ان کو سیکولر نظام کے نام پر ہندو ثقافت اور کلچر کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی۔ نہ ان کی جان اور مال کو تحفظ تھا اور نہ ان کے اخلاق' کردار' اقدار اور تہذیب و تمدن کی حفاظت کا کوئی انتظام۔ یہی وہ چیز ہے جس نے ان کو مجبور کیا کہ بیش بہا قربانیاں پیش کر کے اپنے آپ کو ہندوستان کے قبضہ سے آزاد کرائیں۔ آزادی کی اس جدوجہد کو اور خودارادیت کے اس حق کو اب ہندوستان کے مسلمانوں کے نام پر سلب کرنا ایک نئی استعماری چال ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

پھر ایک اور بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ علاقے کے مسلمان اتنے ہی زیادہ محفوظ ہوں گے جتنا پاکستان مضبوط ہوگا' اور اتنے ہی کمزور ہوں گے جتنا پاکستان کمزور ہوگا۔ اس کا تجربہ سارک کے تمام ممالک کر رہے ہیں۔ ہندوستان کا کوئی بھی ہمسایہ اس کی دست درازیوں سے محفوظ نہیں ہے۔ بنگلا دیش تک ہندوستان کی چیرہ دستیوں سے پریشان ہے۔ نیپال' سکم' بھوٹان' سری لنکا' مالدیو ہر ملک اپنی آزادی اور عزت کو بچانے کے لیے پریشان ہے' اور پاکستان کی طرف اس امید سے دیکھتا ہے کہ مضبوط پاکستان خود ان کے لیے تقویت کا باعث بنتا ہے۔ یہی معاملہ ہندوستان کے مسلمانوں کا ہے۔ اور تقسیم ملک کے معاہدے اور خصوصیت سے لیاقت - نہرو پیکٹ کا یہی پیغام ہے۔

ہم نے جو گزارشات اوپر کی ہیں یہی ہندوستان کے مسلمانوں کے دل کی آواز ہے' وہ اپنے نام پر کشمیر کے مسلمانوں کی غلامی کو ہندوستان کی ہندو قیادت کی ایک چال سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں دہلی کے ہفت روزہ ریڈینس نے بالکل کھلے الفاظ میں یہ لکھا ہے:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس آئی کی نگاہ میں ہندوستان کے پندرہ کروڑ سے زیادہ کی

مسلمان اقلیت ' کشمیر کے پس منظر میں' وہی حیثیت رکھتی ہے جو شطرنج میں پیادہ اور ایک بے جان مہرہ کی ہوتی ہے۔ ایک نہایت غلط لیکن جان بوجھ کر زور و شور سے پیدا کیا جانے والا تاثر کہ مسلمانوں کی حیثیت یرغمال سے بہتر نہیں۔

سوال دراصل یہ ہے کہ کیا مسلمان اقلیت --- آج کی مسلمان اقلیت' کشمیر کے آلہ الحاق میں ایک فریق اور شریک کی حیثیت رکھتی تھی۔ اگر نہیں تو پھر پاکستان اور ہندوستان کے درمیان اس تنازع میں وہ کہاں سے شریک بن جاتے ہیں؟

کیا ہندوستانی مسلمانوں نے اس تنازع میں کبھی بھی کوئی مثبت یا منفی رول ادا کیا ہے؟ اگر نہیں تو پھر آج انھیں گھسیٹ لانے کا کیا قانونی اور اخلاقی جواز ہو سکتا ہے۔

کیا مسلمانان ہند اور مسئلہ کشمیر میں کوئی حقیقی تعلق اور ربط ہے؟ اگر نہیں تو پھر وہ کیا محرک ہے جس کی بنا پر انھیں اس معاملہ میں گردن زدنی قرار دیا جا رہا ہے۔

کیا جب پاکستان پر پنجاب میں خالصتان کی تحریک کی تائید کا الزام لگایا جا رہا تھا تو باقی تمام ہندوستان کی خالصہ کمیونٹی کو بھی ایسے ہی نظریہ کی گرفت میں لیا گیا تھا؟ اور کیا مسلمانان ہند کے بارے میں یہ تمام نہایت غیر ذمہ دارانہ بیانات جو بظاہر نہایت ذمہ دار حضرات کی زبانوں پر جاری ہیں' دراصل ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف اکثریتی فرقہ کو اکسانے کے مترادف نہیں؟ کیا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کو یہ ترغیب دی جائے کہ جیسے ہی کشمیر ہندوستان کے چنگل سے نکلتا ہے' ہندوستانی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑو اور گلی کوچے میں ان کا قتل عام کرو؟ کیا اس طرح ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف ایک معاندانہ فضا تیار نہیں کی جا رہی؟

ہمیں دکھ ہے کہ یہ باتیں وہ ہی نہیں کہہ رہے جو متعصب ہندو ہیں یا ایم ایم جوشی اور بال ٹھاکرے جیسے لوگ ہی یہ زبان استعمال نہیں کر رہے' بلکہ مرکزی وزرا اور اس کے سفیر یہ باتیں کہہ رہے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان پاکستان اور اسلامی عرب دنیا اگر ہندوستان کے مسلمانوں کے تحفظ سے دلچسپی رکھتی ہے تو پھر اسے جموں و کشمیر کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ اور اگر انھوں نے جموں و کشمیر میں دلچسپی لی تو اس کا نقصان ہندوستان میں ان کے ہم مذہبوں کو ہو گا۔

اگر اس حکمت کا نام ہندوستانی مسلمانوں کو یرغمالی بنانا نہیں' تو خدارا ہمیں بتاؤ' اسے کس نام سے پکاریں؟

جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے کانگریس اور بھارتیہ جنتا پارٹی میں حد فاصل ختم ہوتی جا رہی ہے۔ وزیر اعظم نرسمہاراؤ کو جنیوا میں انسانی حقوق کے کمیشن کے سامنے ہندوستان کی وکالت کے لیے بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر اٹل بہاری واجپائی کے سوا کوئی اور نہ مل سکا، وہی واجپائی جس نے بار بار کہا ہے کہ "تقسیم ہند پر خط نسخ پھیر دو"۔ کیا اب کانگریس بھی اسی مسلک پر آگئی ہے؟ یا یہ آنے والے دور کی ایک جھلک ہے؟ ۶ ؎

ان حالات میں پاکستان کی کشمیر پالیسی کیا ہو؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ کشمیر پالیسی کا مقصد پاکستان اور علاقے کے مسلمانوں کے عزائم اور حقیقی مفادات کا حصول ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ کے بنیادی حقائق یہ ہیں:

۱۔ مسئلہ کشمیر، ریاست جموں و کشمیر کے سوا کروڑ مسلمانوں کے ایمان، عزت، آزادی اور سیاسی اور تہذیبی مستقبل کا مسئلہ ہے۔ یہ "تقسیم ملک کے نامکمل ایجنڈے کا حصہ ہے، پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ یہ محض دو ملکوں کے درمیان سرحدی تنازع نہیں۔ اس لیے ہماری سیاسی ترجیحات میں اسے اولیت دینا چاہیے۔

۲۔ مسلمانان جموں و کشمیر نے اپنی بیش بہا قربانیوں کے ذریعہ اس مسئلہ کو زندہ رکھا ہے، اور اس وقت اسے اس مقام تک پہنچا دیا ہے جہاں ہندوستان اور دنیا کے دوسرے ممالک یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اس مسئلہ کو حل کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ لیکن جموں و کشمیر کے عوام کے ساتھ ساتھ، اس مسئلہ کے فریق پاکستان، ہندوستان اور اقوام متحدہ بھی ہیں۔ پاکستان کا فرض ہے کہ ایک فریق کی حیثیت سے مسئلہ کو لے کر اٹھے، اور ہر میدان میں اس کے حل کے لیے سرگرم ہو --- تحریک جہاد کی مدد کے ذریعہ بھی، اور عالمی رائے کو منظم اور مسخر کر کے بھی۔

۳۔ پاکستان اس اٹل موقف سے ہرگز دست بردار نہ ہو کہ مسئلہ کشمیر کے حل کا صرف ایک طریقہ ہے۔ وہ ہے اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق استصواب رائے۔ اس استصواب میں بھی صرف دو ہی راستے ہیں: یعنی ہندوستان یا پاکستان سے الحاق۔ کسی تیسرے آپشن کا دروازہ کھولنا خودکشی کے مترادف ہے، پاکستان کے لیے بھی اور مسلمانان جموں و کشمیر کے لیے بھی۔

پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے موقف کو پوری جرات اور دانشمندی سے پیش

کرے۔پاکستان یہ بات بھی واضح کر دے کہ الحاق کے فیصلہ کے بعد' پاکستان اور ریاست جموں و کشمیر میں تعلقات کی نوعیت ' نظم و نسق اور انتظام و انصرام کا نقشہ' اور خود اختیاری کی شکل و نوعیت کیا ہو' یہ تمام امور ریاست جموں و کشمیر کے عوام کی مرضی کے مطابق طے ہونگے۔

۴ - پاکستان کا فرض ہے کہ مجاہدین کشمیر کی بھرپور مدد کرے اور اس کے اعلان میں شرمندگی نہ محسوس کرے۔ پاکستان نے کشمیر کی خاطر گذشتہ ۴۷ سال میں بے شمار قربانیاں دی ہیں۔ آج جب کشمیر کے نوجوان کشمیر اور پاکستان کی جنگ لڑ رہے ہیں' ہم ان کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔ وہ ہماری جنگ لڑ رہے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ اپنا پیٹ کاٹ کر بھی ان کی مدد کریں' ان کی ہر ضرورت کو پورا کریں' اور ہندوستان نے ان پر مظالم کے جو پہاڑ گرائے ہیں ہم صحیح معنی میں ان کے پشتی بان بن جائیں۔

۵ - پاکستان کی حکومت اور عوام کے ساتھ ساتھ' اس جدوجہد میں آزاد کشمیر کی حکومت اور عوام کی بھی بڑی ذمہ داری ہے۔ پاکستان کی حکومتوں کی طرح' آزاد کشمیر کی حکومت بھی اپنے اصلی مشن کو بھول چکی ہے۔ وہ محض آزاد علاقہ کی حکومت نہیں' بلکہ پوری ریاست جموں و کشمیر کی آزاد حکومت ہے' اور مقبوضہ کشمیر کی آزادی کی جدوجہد اس کا اولین مقصد ہے۔ اسی لیے اسے بیس کیمپ کا لقب دیا گیا تھا۔ اب ضرورت یہ ہے کہ گروہی سیاست سے بالا ہو کر' آزاد کشمیر کی حکومت اور عوام تحریک جہاد میں بھرپور حصہ لیں' اور اپنی ترجیحات کو یکسر بدل کر تحریک آزادی کو اس کے منطقی اور فطری نتیجہ تک پہنچانے کے لیے سرگرم ہو جائیں۔

۶ - حکومت پاکستان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اگرچہ یہ مقصد محض سیاسی اور سفارتی جدوجہد سے حاصل نہیں ہو سکتا' مگر سیاسی اور سفارتی مہم بہت اہم ہے اور اب تک اس کے تقاضے بھی پورے نہیں کیے جا سکے ہیں۔ محض چند وفد باہر بھیجنے سے کام نہیں ہو گا۔ اس کے لیے بڑے ہمہ گیر' منظم اور موثر کام کی ضرورت ہے' جس کے تحت پوری دنیا میں ہر علاقے کے حالات کے مطابق' تحریک کشمیر کے تعارف اور اس کے لیے تائید کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا ہو گی۔ ہماری وزارت خارجہ آج تک اس مقصد میں ناکام رہی ہے۔

اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کشمیر کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے وزارت کی تنظیم نو ہو' اور کشمیر ڈیسک سب سے اہم ڈیسک ہو۔ ہر اس ملک میں جہاں ہمارا سفارت خانہ ہے' کشمیر سیل قائم کیا جائے۔ علم اور صلاحیت رکھنے والے افراد کو' جو کشمیر کے لیے صحیح جذبہ رکھتے ہوں' اس کام پر لگایا جائے' اور اس طرح عالمی سطح پر ایک موثر تحریک چلائی جائے۔

۷ - پوری پاکستانی قوم کو حالات سے آگاہ رکھنا اور جذبہ جہاد سے سرشار کرنا بھی اس پالیسی کا اہم جز ہونا چاہیے۔ جب تک پوری قوم کو اس تحریک کے لیے متحرک نہیں کیا جائے گا' کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہر اسکول' کالج اور یونیورسٹی میں' ہر شہر' قصبہ اور دیہات میں' ہر مسجد اور مدرسہ میں' ہر کارخانہ اور بازار میں' جہاد کشمیر سے لوگوں کو متعارف کرایا جائے اور اس میں شرکت کے لیے ---- مال سے' جان سے' ہر صورت میں ---- آمادہ کیا جائے۔ قوم میں بڑا جذبہ ہے لیکن اسے آج تک صحیح انداز میں متحرک و منظم نہیں کیا گیا۔

۸ - حکومت پاکستان کو اپنے بجٹ کو بھی ان ترجیحات کی روشنی میں از سر نو مرتب کرنا ہو گا۔ جہاد کشمیر کی ضروریات کو اولیت دینا ہو گی' اس کے ساتھ ساتھ نیوکلیر پاور کی مناسب ترقی' فوج کو چوکس رکھنا اور قوم کے نوجوانوں کو جہاد کے لیے تیار کرنا ضروری ہے۔ اس بات کا خطرہ ہے کہ جب کشمیر میں حالات ہندوستان کی گرفت سے بالکل نکلنے لگیں گے تو وہ پاکستان پر جنگ مسلط کرنے کی کوشش کرے گا۔ کشمیر پالیسی کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ ہم جنگ کے لیے تیار رہیں۔ تاریخ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جو قوم جنگ سے خائف رہی ہے' وہ اپنی آزادی سے بھی محروم ہو گئی ہے۔ اور جو قوم جنگ کے لیے تیار رہی ہے' وہی اپنے ایمان' عزت و آزادی کو محفوظ رکھ سکی ہے۔ سابق امریکی صدر نکسن نے بہت صحیح کہا تھا کہ "ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ قوت کے استعمال سے دست برداری' دراصل دشمن کو اپنے خلاف قوت کے استعمال کی دعوت دینے کے مترادف ہے"۔ بلکہ نکسن نے تو یہاں تک کہا ہے کہ "صرف تیار ہی نہ رہو' مخالف کو یہ پیغام بھی دے دو کہ تم ہر قوت کے استعمال کے لیے تیار رہو' یہ وہ چیز ہے جو دشمن کو تم پر دست درازی سے روکے گی"۔ اسی بات کو ہنری کسنجر نے ایک دوسرے انداز میں کہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "اگر امن کے معنی محض جنگ سے بچنا لے لیے جائیں' اور یہ چیز ایک قوم یا بہت سی اقوام کے مجموعہ کا بنیادی مقصد بن جائے' تو سمجھ لو عالمی سیاسی نظام سب سے زیادہ بے رحم اور سنگ دل ملک کے رحم و کرم پر ہو گا"۔ اس لیے جنگ سے بچنے کا بھی سب سے موثر راستہ جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا ہے۔

۹ - ہندوستان پر موثر دباؤ ڈالنے کے لیے چار ہی اہم طریقے ہیں اور ان چاروں کو موثر انداز میں اور مربوط منصوبہ بندی کے ذریعہ استعمال ہونا چاہیے۔

(ا) تحریک آزادی کشمیر کی بھرپور اور موثر مدد' تاکہ مقبوضہ کشمیر میں قابض قوت پر اتنا دباؤ پڑے اور اسے قبضہ کی اتنی گراں قیمت ادا کرنی پڑے کہ وہ پرامن حل کے لیے تیار ہو جائے۔

(۲) عالمی رائے عامہ کو منظم کرنا' اور اس کا دباؤ اتنا بڑھانا کہ ہندوستان اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق استصواب رائے کے لیے مجبور ہو۔ اگر فرانس کو الجزائر چھوڑنا پڑا' اگر اقوام متحدہ کو نمیبیا میں استصواب رائے کروانا پڑا' اور اگر جنوبی افریقہ تین سو سالہ نسلی امتیاز کے نظام کو ختم کرنے پر مجبور ہوا' تو ہندوستان کو بھی کشمیر میں استصواب پر مجبور کیا جا سکتا ہے' اور بہت جلد کیا جا سکتا ہے۔

(۳) ہندوستان اور اس کی مصنوعات کے بائیکاٹ کی عالمی مہم۔ پاکستان خود اس کا آغاز اپنے تمام تجارتی تعلقات منقطع کر کے کرے۔ تمام مسلمان ممالک کو اس کی ترغیب دی جائے کہ او آئی سی کی اپریل ۱۹۹۳ کی قرارداد کے مطابق ہندوستان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں۔ اس وقت صرف مشرق وسطیٰ میں ہندوستان کی کل برآمدات کا تقریباً ۵۰ فیصدی جا رہا ہے۔ اگر ایک موثر عوامی اور سرکاری تحریک چلائی جائے تو یہ معاشی دباؤ بھی ہندوستان کو مجبور کرے گا کہ کشمیر میں استصواب کرائے۔ پھر عالمی پلیٹ فارم پر بھی معاشی پابندیوں کا مطالبہ کیا جائے۔ سیکورٹی کونسل میں' جنرل اسمبلی میں' دنیا کی مختلف پارلیمانوں میں' یہ قراردادیں منظور کرائی جائیں۔ عوامی بائیکاٹ کی مہم کے ساتھ ساتھ سرکاری پابندیوں کی تحریک بھی چلائی جائے۔ اگر اس واضح ہدف کے لیے کام کیا جائے تو جلد فضا تبدیل ہو سکتی ہے۔

(۴) قوم کو جہاد کے لیے تیار کرنا' فوج کا چوکس رہنا اور نیوکلیر پاور کا صحیح درجہ میں موجود ہونا۔ ایک طرف یہ چیز بیرونی جارحیت کے لیے موثر مانع ثابت ہو گی' اور دوسری طرف ہم کو وہ استطاعت حاصل رہے گی کہ اگر دشمن کوئی دست درازی کرتا ہے تو اس کا موثر جواب دیا جا سکے۔ نیوکلیر پاور کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے محدود جنگ کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں اور مکمل جنگ سے اجتناب ممکن ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس دفاعی اسٹریٹجی میں نیوکلیر پاور کا موثر کردار ہے۔

۱۰- مندرجہ بالا خطوط پر مرتب کردہ کشمیر پالیسی کی کامیابی کے لیے ضروری ہو گا کہ اس کے نفاذ کے لیے بھی ایک موثر مشینری وجود میں لائی جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ پالیسی' اور اس کی تنفیذی مشینری قومی بنیادوں پر استوار کی جائے۔ تمام سیاسی اور دینی جماعتوں کا فرض ہے کہ اس سلسلہ میں مثبت کردار ادا کریں۔ پارلیمنٹ کو اس بارے میں مناسب ابتدائی اقدامات کرنا چاہئیں۔ میڈیا کا رول بھی غیر معمولی اہمیت کا حاصل ہے۔ اس کام کے لیے ایک قومی تحریک کی ضرورت ہے۔

ضعفِ ارادہ

ضعفِ ارادہ کا ابتدائی ظہور کام چوری کی صورت میں ہوتا ہے ۔ آدمی ذمہ داریاں قبول کرنے سے جی چرانے لگتا ہے ۔ مقصد کی راہ میں وقت ' محنت اور مال خرچ کرنے سے گریز کرنے لگتا ہے ۔ دنیا کے ہر دوسرے کام کو اس کام پر ترجیح دینے لگتا ہے جسے وہ زندگی کا نصب العین قرار دے کر آیا تھا۔ اس کے اوقات میں' اس کی محنتوں میں ' اس کے مال میں' اس کے نام نہاد مقصدِ حیات کا حصہ کم سے کم ہوتا چلا جاتا ہے اور جس جماعت کو وہ برحق جماعت مان کر اس سے وابستہ ہوا تھا ' اس کے ساتھ وہ صرف نظم اور ضابطے کا تعلق باقی رکھتا ہے۔ اس کے بھلے اور برے سے کوئی غرض نہیں رکھتا' نہ اس کے معاملات میں کسی قسم کی دلچسپی لیتا ہے۔

(ایک بندہ خدا)

(اشتہار)

کشمیر

ہم انصاف چاہتے ہیں، جنگ نہیں!

سیّد علی گیلانی

نومبر ۱۹۹۳ میں قائدِ تحریکِ جہادِ کشمیر سیّد علی گیلانی نے اپنی گرفتاری سے چند روز قبل ایک انٹرویو لندن سے شائع ہونے والے ماہ نامہ (امپیکٹ انٹرنیشنل) کو دیا۔ اسے اردو قالب دے کر اور ان کے دیگر انٹرویو سے ساتھ مدون کر کے، سلیم منصور خالد نے درج ذیل انٹرویو ترتیب دیا۔

گزشتہ پانچ برسوں کے دوران کشمیر کی موجودہ جدوجہد آزادی میں کیا اہداف رہے ہیں؟

سب سے پہلے تو یہ بات درست کر لیجیے کہ یہ جدوجہد گزشتہ پانچ برسوں سے نہیں چل رہی، بلکہ ہماری تحریک ۱۹۴۷ سے جاری ہے۔ اس عرصے کے دوران جموں و کشمیر کے عوام نے ان تمام سامراجی کوششوں کے خلاف جرات مندانہ مزاحمت کی ہے جو انھیں غلام بنا کر رکھنے کے لیے کی گئی ہیں، اور ان کوششوں کو مسترد کر دیا ہے جو ان کے دینی اور ثقافتی تشخص کو ختم کرنے کے لیے کی گئی ہیں۔

بلاشبہ اس عظیم جدوجہد میں بہت سے نشیب و فراز آتے رہے ہیں، لیکن حقِ خودارادیت کے حصول کے لیے کی جانے والی کاوشوں کے تسلسل میں ۴۶ برسوں کے دوران کبھی وقفہ نہیں آیا۔ اس دوران ہم اہلِ جموں و کشمیر، بھارتی سرکار سے یہی مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ وہ خود اپنے وعدے اور بین الاقوامی معاہدے کے تحت ہمیں حقِ خودارادیت استعمال کرنے کی اجازت دے۔ لیکن افسوس کہ بھارتی حکمرانوں نے اس کے جواب میں انتہائی بہیمانہ اور وحشیانہ رویہ اختیار کیا۔ اپنے خلاف چار دہائیوں پہ پھیلے ہوئے اس بھارتی ظلم و زیادتی کے نتیجے میں مجبور ہو کر، اہلِ کشمیر نے اپنے دفاع کا راستہ اختیار کیا ہے اور بھارتی استعمار کے غیر قانونی قبضے کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کی ہے۔ اس لیے موجودہ تحریکِ جہاد اپنی بنیاد کے اعتبار سے کوئی نئی جدوجہد نہیں ہے، بلکہ یہ تو ۴۶ سالہ پرانی تحریکِ حقِ خودارادیت کا سب سے مؤثر مرحلہ ہے۔

اس تحریکِ جہاد کے دوران ہمارے مطالبات یہ ہیں:

۱- بھارت جموں و کشمیر کے علاقے سے اپنی مسلح افواج واپس بلائے۔

۲- جموں و کشمیر میں آزادانہ، منصفانہ اور شفاف رائے شماری برائے حقِ خودارادیت کے لیے عالمی اداروں کی طے شدہ قراردادوں کے مطابق عمل کرے۔

۳- تمام گرفتار شدگان رہا کرے۔

بہرحال حق خودارادیت کے حصول کے بعد ہماری منزل اسلامی حکومت کا قیام ہے۔

وہ کون سے بنیادی مسائل ہیں، جن کو فوری حل کیا جانا چاہیے اور ان مسائل کے حل کے لیے آپ وقت کا کیا تعین کرتے ہیں؟

ان بنیادی مطالبات کو فوراً تسلیم کیا جانا چاہیے، یہی مسائل کا فوری حل ہے۔ ان کے تسلیم کرانے تک ہم اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے، ان شاء اللہ۔ باقی جہاں تک مسائل کے حل کے لیے وقت کے تعین کا معاملہ ہے تو یہ بات غیر حقیقی ہے۔ بھارت کی جانب سے بین الاقوامی معاہدوں اور عالمی برادری کے سامنے کیے جانے والے وعدوں کی خلاف ورزی کا گزشتہ ریکارڈ اس میں حائل ہے۔ بھارت غلط فہمی، خود فریبی، کچھ عالمی چودھریوں کی پشت پناہی، اور حقیقت میں مسلمانوں کی بے عمل سیاسی و علمی قیادت کی سستی سے شہ پا کر یہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ وہ سچائی اور حقیقت کا سامنا کرنے سے کتراتا ہے اور اپنی ہی ہٹ دھرمی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اصل مسئلے کو سمجھنا نہیں چاہتا۔

اب ذرا اس منظر نامے پر نگاہ ڈالیے:

۱- بھارت بین الاقوامی سطح پر یہ بتاتا ہے کہ "وہ اس مسئلے کو "معاہدہ شملہ" (۱۹۷۲) کے تحت پاکستان سے باہمی گفت و شنید سے حل کرنا چاہتا ہے"۔

۲- مگر دوسری طرف اپنے شہریوں کو بتاتا ہے کہ "اصل مسئلہ تو پاکستان کا آزاد کشمیر پر قبضہ ہے، وہ چھوٹ جائے تو مسئلہ حل ہو جائے گا"۔

۳- لیکن تیسری جانب وہ اہلِ جموں و کشمیر کے ساتھ گولے، بارود، تشدد اور عصمت و جان کی بے حرمتی کی زبان میں بات کرتا ہے کہ "مسئلہ کشمیر کا اصل حل یہ ہے"۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھارت کی غیر حقیقت پسندانہ اور ظالمانہ پالیسی ہے، جسے وہ وقت ٹالنے کے لیے بطور تاخیری حربہ اختیار کر رہا ہے۔ دہلی سرکار، اپنی اس الٹی قلابازی سے دنیا کی سوچ کو بدلنا اور ہمیں غلامی کی دلدل میں گھسیٹنا چاہتی ہے۔ بھارت سرکار اس فارمولے پر عمل کر رہی ہے

کہ کشمیریوں کو اور ان کی اس سرفروشانہ جدوجہد کو "جبر و قہر سے دبا دو اور پھر اپنی مرضی کا سامراجی حل ٹھونس دو"۔ سچی بات یہ ہے کہ جب تک بھارت سے سچائی کی حرمت اور وعدے کی پاس داری نہیں منوا لی جاتی کشمیر ایک متنازع علاقہ رہے گا۔

کچھ تاخیر سے ہی سہی مگر پھر بھی عالمی مفادات کے نگہبانوں نے ہڑبڑاہٹ کے ساتھ مسئلہ کشمیر میں دوبارہ دلچسپی لینا شروع کی ہے۔ ان کے نمائندے آپ لوگوں کے پاس کیا پیغام اور کون سی تجاویز لے کر آتے ہیں اور آپ انھیں کیا کہتے ہیں؟

جموں و کشمیر کے جانثاروں کی مجاہدانہ جدوجہد اور مظلوموں کی دلیرانہ برداشت نے بھارتی تسلط کے خلاف امریکہ اور عالمی رائے عامہ کے دوسرے اداروں کی توجہ مسئلہ کشمیر کی طرف مبذول کرائی ہے۔

ہمارے پاس مختلف بیرونی سفارتی وفود اور مشن آئے ہیں۔ ان سب نے کشمیر کے حالات پر ہمدردانہ رویے کا اظہار کیا ہے' اور انھوں نے مسئلے کے حل کے لیے اپنی دانست میں ہمیں جو جو تجاویز پیش کی ہیں ہم نے انھیں پورے احترام کے ساتھ سنا ہے۔ ساتھ ہی انھیں یہ بھی کہا ہے کہ "ہمارے لیے صرف وہ تجاویز کوئی مقام و مرتبہ رکھتی ہیں۔ جو انصاف پر مبنی ہیں اور انصاف کے فطری جذبے کی عکاس ہیں' اور جن کی روشنی میں ہم اقوامِ متحدہ کے طے شدہ حقِ خودارادیت کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے"۔

اسی طرح ہم ان تمام عالمی وفود اور نمایندوں کی خدمت میں یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ "کشمیر کا مسئلہ پاکستان اور بھارت کے درمیان کوئی سرحدی تنازعہ نہیں ہے۔ مزید یہ کہ مسئلہ کشمیر کوئی عمومی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا مسئلہ بھی نہیں ہے کہ صرف قیدیوں کی رہائی یا جیلوں میں انھیں کچھ سہولتوں کی فراہمی یا بھارتی فوجوں کی بارکوں میں واپسی سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ نہیں' ایسی بات نہیں ہے۔ اسی طرح کشمیر کبھی بھارت کا حصہ نہیں رہا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں بھارت کی تقسیم کے وقت طے شدہ فارمولے سے انحراف کر کے مہاراجا جموں و کشمیر نے بھارت سے جس "الحاق" کا ڈھونگ رچایا تھا' خود وہ بھی عارضی اور عوامی رائے شماری سے مشروط تھا۔ اس لیے قطعی طور پر کشمیر کا مسئلہ بھارت کا اندرونی معاملہ نہیں ہے"۔

پھر ہم ان سے یہ بھی کہتے ہیں کہ "اہلِ سیاست و صحافت کا یہ طرزِ اظہار کہ "کشمیری مجاہدین علاحدگی پسند ہیں" ایک شدید ترین زیادتی ہے۔ اہلِ کشمیر علاحدگی پسند نہیں' بلکہ انصاف پسند ہیں' اور کشمیر کے معروضی حالات میں انصاف کی منزل حقِ خودارادیت ہے۔ کشمیری حریت پسند

عوام انصاف پر مبنی فیصلہ چاہتے ہیں نہ کہ صلح۔ (اگرچہ "صلح" بڑی حرمت والا لفظ ہے' لیکن بھارت نے لفظ "صلح" کی حرمت کو جس بے دردی سے پامال کیا ہے' اس نے تو اس لفظ کے معنی ہی دھندلا دیے ہیں)۔ اس لیے ہمیں اپنا حق چاہیے۔ ہماری کسی سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔ وقت ٹالنے والی جس "صلح" کی باتیں کی جاتی ہیں' وہ نہ تو مسئلہ کشمیر کا حل ہے اور نہ امن کا راستہ۔ ہمارے نزدیک آئیڈیل صورت سلامتی کونسل کی قراردادوں پر عمل درآمد ہے' اور اگر یہ راستہ بند ہو جائے تو پھر سہ فریقی مذاکرات کا متفقہ فیصلہ۔

لیکن ان اعلیٰ پیغام بروں نے آپ سے کیا کہا؟ میرا مطلب ہے کہ امریکہ کی نائب وزیر خارجہ برائے جنوبی ایشیا مسز رابن رافیل نے حال ہی میں آپ سے ملاقات کی' انھوں نے آپ سے کیا بات کی؟

یہ مسز رابن رافیل ہوں یا کوئی اور عالمی سطح کی شخصیت' وہ جب بھی ہمارے یہاں آتے ہیں تو فطری طور پر مقبوضہ جموں و کشمیر میں انسانی عزت و جان کی بے حرمتی پر اپنے دکھ کا برملا اور بے ساختہ اظہار کرتے ہیں۔ بھارت مجرد انسانی حقوق کی یہاں جو مٹی پلید کر رہا ہے' اس پر ہاتھ ملتے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن ہمیں محض ہمدردی کے چند روایتی اور بے روح بول نہیں چاہئیں کہ دکھی انسان کی درد بھری چیخ شاید اس کا دکھ سب سے زیادہ بانٹتی ہے۔ ہمدردی کے ان رسمی جملوں کے بجائے' ہمیں تو انصاف اور اپنا مسلّمہ حق چاہیے۔

اب یہ الگ بات ہے کہ عالمی سطح کے جو بھی نمایندے یہاں آتے ہیں' بدقسمتی سے وہ مظلوم کشمیریوں کے کرب کی ٹیس محسوس کرنے کے بجائے اپنے تصور کی تفہیم اور اپنے ہی قومی مفادات کے نمایندے بن کر آتے ہیں۔ محسوس یہی ہوتا ہے کہ ایسے وفود یا شخصیات اہلِ کشمیر کے حقوق کی حفاظت کے بجائے سامراج کے مفادات کے محافظ بن کر ہمیں کچھ سبق پڑھانے' کچھ ورغلانے اور کچھ ڈرانے آتے ہیں۔ ہم آنے والے ان کرم فرماؤں کی نمک پاشی کے باوجود ان سے یہی عرض کرتے ہیں کہ جناب' اس مسئلے کا حل صرف یہ ہے کہ بھارتی قابض فوج اور اس کے نگران' اہلِ کشمیر کی جان چھوڑیں' اہل کشمیر کے ساتھ بین الاقوامی سطح پر کیے جانے والے عہد کے مطابق انھیں حقِ خودارادیت دیا جائے۔ یہی اس مسئلے کا حل ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں نئے نئے لیکچر نہ دیے جائیں۔

گیلانی صاحب' جموں و کشمیر کو پانچ برسوں کے لیے اقوام متحدہ کی تولیت (Trusteeship) میں

دینے کی تجویز کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

مسئلہ کشمیر کا عارضی حل (Patch work) ہمیں کسی طرح قبول نہیں ہے۔پانچ سالہ تولیت کے معنی یہ ہیں کہ جموں و کشمیر کو مزید پانچ برسوں کے لیے ایک غیر یقینی صورتِ حال کے غار میں دھکیل دیا جائے۔ ایسا عمل اہلِ کشمیر کے ساتھ ایک ظالمانہ مذاق کے سوا کچھ نہ ہو گا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اس تجویز کے خالق بڑے چالاک ہیں۔ سادہ لفظوں میں وہ اس طرح بھارتی اژدھے کو موجودہ دباؤ سے نکالنا چاہتے ہیں تاکہ اسے کچھ سستانے کا موقع نصیب ہو۔ اسی طرح بھارت کے عالمی دوست یہ بھی چاہتے ہیں کہ پانچ سال کے اس اضافی وقت کے دوران اہلِ کشمیر کے جہاد کا رخ خود ان کے درمیان غلط فہمیوں' مایوسیوں اور تصادم کی طرف پھیر دیا جائے۔ اس طرح آخر کار کسی بھی شکل میں انھیں بھارتی جبرو استبداد کے سپرد کرنے کا راستہ ہموار کیا جائے۔

دکھی کشمیریوں کے سر سے جو موجِ خون گزر رہی ہے اور جس قیامتِ صغریٰ سے وہ دوچار ہیں' اس میں اہلِ کشمیر' ان نام نہاد عالمی ٹرسٹیوں پر Trust (اعتماد) کرنے کو تیار نہیں ہو سکتے' جن کی حتمی ہمدردیاں بھارتی قصابوں کے ساتھ ہیں۔یہ بات صاف صاف لفظوں میں سمجھ لینا چاہیے کہ درست راستہ یہی ہے کہ اہلِ کشمیر کو حقِ خودارادیت دے کر وعدے کی جلد از جلد غیر جانب دارانہ بنیادوں پر تکمیل کی جائے اور نئے نئے شوشے چھوڑ کر انسانیت کی تذلیل نہ کی جائے۔

کشمیر کے لوگ آخر کب تک موجودہ صورت حال کا مقابلہ کرتے رہیں گے؟

جب تک یہ ظلم و زیادتی برقرار رہے گی' تب تک کشمیری سرفروشوں' عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کی جدوجہد جاری رہے گی' ان شاء اللہ۔

میرے اہلِ وطن اس وقت بھارتی درندوں کے ہاتھوں وسیع پیمانے پر تشدد' بہنوں بیٹیوں کی عصمت دری' گھروں کی آتش زدگی' کھیتوں' کھلیانوں' باغوں کی بربادی' کاروبار اور تعلیم کی تباہی کے طوفان سہہ رہے ہیں' مگر یہ سب چیزیں ان کے عزم و ارادے کو متزلزل نہیں کر سکتیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ ہر روز یہ قربانی دیتے ہیں' مگر پھر بھی اپنے ہدف' اپنے حقوق اور اپنی منزل کے حصول کی جنگ کے لیے تازہ دم ہوتے ہیں۔

میرے اہلِ وطن اس یقین و ارادے سے سرشار ہیں کہ جب تک ان کی سرزمین پر ایک بھی بھارتی فوجی موجود ہے' وہ اس وقت تک جاں سپاری کی اس رسم کو ادا کرتے رہیں گے۔ جب کہ

دوسری جانب بھارتی فوجیوں کا یہ حال ہے کہ وہ نفسیاتی سطح پر شکست کھا چکے ہیں' ان کے حوصلے ٹوٹ چکے ہیں' انھیں سہارا دینے والی صرف تین چیزیں ہیں : مسلمان حکومتوں کی بے حسی' عالمی ضمیر کی چشم پوشی اور جنگی مشین کا سہارا۔ وگرنہ صورت یہ ہے کہ جس طرح کمیونسٹ فوجیں افغانستان میں شکست سے دوچار تھیں' مگر ان کی انا انھیں پیچھے ہٹنے سے روک رہی تھی اور وہ اس دلدل سے نکلنے کے راستے تلاش کر رہے تھے' بالکل اسی طرح بھارتی فوجیں نفسیاتی شکست خوردگی سے دوچار ہیں۔

بھارتی رائے عامہ کے بہت سے ذمہ دار اور انصاف پسند حلقے اس چیز کا شدت سے احساس کرنے لگے ہیں کہ "کشمیر کے مسئلے پر ان کے حکمرانوں کا موقف شدید غلطی اور غیر منصفانہ رویے پر مبنی ہے"۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ بھارتی' خود اپنے قومی مفاد کے لیے بہتر راستہ اختیار کریں۔ اور بہتری کا یہ راستہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے ذہن سے توسیع پسندانہ اور سامراجی خناس نکال پھینکیں اور جموں و کشمیر پر سے اپنا استعماری قبضہ چھوڑ دیں۔ ہم بھارتیوں سے کہتے ہیں "وہ کشمیر سے نکل جائیں اور مستقبل میں اہلِ کشمیر کے دوست بنیں"۔

لیکن عالمی طاقتیں مسئلہ کشمیر کے عارضی نوعیت کے حل کو تسلیم کرنے کے لیے پاکستان پر بھی تو زبردست دباؤ ڈال رہی ہیں۔ اس صورت حال میں اہل کشمیر اپنی جدوجہد آزادی کی تحریک کے لیے پاکستان پر کس حد تک انحصار کر سکتے ہیں؟

مسئلہ کشمیر میں پاکستان بھی یقیناً ایک فریق ہے' جسے اس علاقے اور یہاں پر موجود ایک کروڑ تیس لاکھ لوگوں نے منسلک اس کے جائز مفادات سے دستبرداری پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس حوالے سے پاکستانی حکومت کو اس مسئلے سے متعلق سیاسی اور سفارتی محاذوں پر جان دار پالیسی ہی اختیار کرنی چاہیے۔ اس لحاظ سے پاکستان پر کسی قسم کا دباؤ ڈالنا بنیادی طور پر نہایت لغو اور حتمی نتائج کے اعتبار سے ایک ناکام مشق ہو گی۔ کیونکہ یہ خود کشمیری عوام ہیں جو اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں' اور آزادی کی اس جدوجہد میں ان کی اپنی امنگوں اور کومٹ منٹ کو اساسی دخل حاصل ہے۔

مزید یہ کہ تحریکِ آزادیِ کشمیر بہرحال ایک تحریکِ خود اختیاری ہے' جس کا پاکستانی عوام اور امتِ مسلمہ سے نہایت گہرا تعلق ہے۔ باقی فتح و نصرت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے' اور ان شاء اللہ' ہمارے عوام فتح کے حصول تک اپنی جدوجہد جاری رکھنے کے لیے پرعزم ہیں۔

بوسنیا ہرزیگووینا کے دردناک المیے سے عمومی سطح پر مسلمانوں کو کیا سبق حاصل ہوتا ہے؟

لہو کے سمندر میں ڈوبے اور بے حسی کے طوفان میں لرزتے بوسنیا کا المیہ' اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کے لیے ایک تازیانہ ہے۔اس المیے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ :

۱۔ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے' اس لیے ہمیں دوسرے عالمی سیاسی ناخداؤں کی طرف دیکھنے کے بجائے اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا چاہیے۔

۲۔ امت کے تصور اور جہاد کی روح کو سمجھنا چاہیے۔

۳۔ ذہنی' سیاسی' اقتصادی اور ثقافتی غلامی سے نکلنا چاہیے۔

۴۔ اپنے گھروں کے بنیادی یونٹ کو صحیح خطوط پر منظم کر کے جارحیت کے خلاف متحد اور مربوط جدوجہد کرنی چاہیے۔

۵۔ ہر ایک کو اسلام کی بنیادی دعوت اور اس کے عملی تقاضوں کی ادائیگی کی طرف لوٹ جانے کی دعوت دینی چاہیے۔

محترم گیلانی صاحب' آخری سوال یہ ہے کہ ان بھارتی دانش وروں کو آپ کیا کہنا چاہیں گے' جو بڑے یقین کے ساتھ اپنے اس خدشے کا اظہار کرتے ہیں کہ "اگر جموں و کشمیر کو بھارت سے علیحدہ ہونے کا موقع فراہم کر دیا گیا تو بھارت میں دوسری علیحدگی پسند قوتوں کی حوصلہ افزائی ہو گی اور اس طرح بھارت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا"۔اس تناظر میں مستقبل میں آپ بھارت اور کشمیر کے تعلقات کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گے؟

پہلی غلط فہمی تو یہ دور کر لیجیے کہ جموں و کشمیر بھارت سے علیحدہ نہیں ہو رہا' بلکہ جموں و کشمیر تو ہر اعتبار سے بھارت سے الگ تھا' اور الگ ہے۔ یہ تو خود بھارت نے اس پر زبردستی قبضہ جما رکھا ہے۔ پھر اہلِ کشمیر کب بھارت سے زیادتی کر رہے ہیں' یہ خود بھارت ہے جو اہلِ کشمیر کے ساتھ اور پھر دوسری جانب جنگی جنون میں اپنے ہم وطنوں پر ظلم کر رہا ہے۔

اسی لیے ہم نے اکثر ذمہ دار بھارتی دانش وروں اور حکومتی کارندوں کو مذاکرات کے دوران علیحدگی پسندی یا بھارت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے متعلق قائم شدہ خوف دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے انھیں اس سچائی پر غور کرنے کی دعوت بھی دی ہے کہ کشمیری عوام کے حقِ خودارادیت کو تسلیم کر لینے اور کشمیر کے مسئلے پر معروضی انداز سے عمل کر لینے ہی سے بھارت کو اس تناؤ' مسلسل عدم استحکام اور نہ ختم ہونے والے خوف سے چھٹکارہ مل سکتا ہے کہ جس میں دہلی سرکار اور اس کے جنگجو ساتھی مبتلا ہیں۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ اس قدر ظلم و زیادتی برداشت کر لینے کے باوجود اہلِ کشمیر کے دلوں میں بھارتی عوام سے کوئی نفرت کے جذبات نہیں ہیں۔ یہ تو بھارت کی حکومتی اور فوجی مشینری ہے، جو انسانوں کو انسانوں پر ظلم کے لیے ابھار رہی ہے۔ میرے ہم وطنوں کی جدوجہد اگر مذہبی منافرت کی بنیاد پر ہوتی تو اس کا اثر یقیناً کشمیر کے غیر مسلم افراد پر بھی پڑتا۔ لیکن دنیا گواہ ہے کہ وہاں آپ کو ایسی کوئی چیز دکھائی نہیں دے گی۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ ایک مرتبہ کشمیر پر سے بھارتی تسلط ختم ہو جائے تو اہلِ کشمیر کو بھارت سے سیاسی روابط قائم رکھنے میں کوئی دشواری نہ ہو گی۔

اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ انسانی جانوں کو برباد کرنے کے بجائے بھارتی نیتا عقل و دانش کا مظاہرہ کریں اور اہلِ کشمیر کو حقِ خودارادیت دینے میں سلامتی کونسل کی قرار دادوں پر عمل کریں۔ یہی بھارت کی سلامتی کا راستہ ہے۔ یہی اس خطے کے ایک ارب تیس کروڑ انسانوں کی فلاح اور خوش حالی کا راستہ ہے۔

حافظ سجاد فاروق شہید فنڈ

۲۱ اپریل ۱۹۹۴ کو گوجرانوالہ شہر میں رکنِ جماعتِ اسلامی مستری حبیب اللہ کا جوان سال، دیندار اور نیک سیرت بیٹا حافظ سجاد فاروق ظلم کی بھینٹ چڑھ کر شہید ہو گیا۔ وقتِ شہادت بھی وہ باوضو تھا اور قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔

شہید کے بوڑھے والدین، مظلوم بیوہ اور چھ معصوم بچے بے یار و مددگار ہیں۔ ان کی کفالت کے لیے ہم نے فنڈ کھول دیا ہے۔ کیا آپ دستِ تعاون بڑھا کر مظلوموں کا سہارا بننا پسند کریں گے ؟ مظلوموں کی داد رسی تمام گناہوں کا کفارہ ہے (حدیث پاک)۔

اپنی اعانت نقد، چیک یا ڈرافٹ کی صورت میں سید مراد علی شاہ ناظمِ مالیات جماعتِ اسلامی صوبہ پنجاب کے نام ارسال فرمائیں۔

(حافظ محمد ادریس)

امیر جماعتِ اسلامی صوبہ پنجاب

۔ ۶۰ نشانات ۔

آج اسلام پھر ارضِ مغرب کے وساوس و شکوک کے اندھیرے میں گھرا جا رہا ہے۔ اسلامی اقوام کے جن خاندانوں کا تعلق مغربی تہذیب سے ہو رہا ہے بتدریج ان میں اللہ کی کتاب اور اپنے رسول کے "پیغام" سے ارتداد پیدا ہو رہا ہے۔ وسطانی دور کے ارتداد میں چونکہ اسلام سیاسی طور پر قوموں کے مقابلہ میں برتری حاصل کیے ہوئے تھا اس لیے جیسا کہ میں نے کہا ہے' اس ذہنی ارتداد اور باطنی بغاوت نے مسلمانوں کے "ظاہر" کو کم متاثر کیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے "ارتداد" کا جو دور مغرب کے اثر سے اب شروع ہوا ہے' اس وقت بدبخت مسلمان اپنے سیاسی تفوق کو بھی کھو بیٹھے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت جو "ارتداد" باطن میں پیدا ہوتا ہے' کچھ دن تو سوسائٹی کے دباؤ سے اندر ہی دبا رہتا ہے لیکن جیسے جیسے خاندانوں کا تعلق اپنے قبیلہ سے کمزور ہوتا جاتا ہے۔ سوسائٹی کی گرفت ڈھیلی پڑتی جاتی ہے اور مغربی قوت سے ان کو نزدیکی حاصل ہوتی جاتی ہے' اسی نسبت سے یہ "ارتداد" اندر سے نکل نکل کر باہر آ رہا ہے۔ مغربی طرز کے اسکول و مدارس "ارتداد" کی اس آگ کو ہوا دینے میں سب سے زیادہ اس وقت معاون و مددگار ہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا آخری انجام کیا ہے۔ صرف ختمِ نبوت کی واقعیت اور اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ کا وعدہ یاس کی گھڑیوں میں "امید" کی خنکی پہنچا رہا ہے۔ ورنہ واقعات کی جو رفتار ہے اس سے درد والوں کے دل پگھل رہے ہیں' جگر کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں۔ فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔

(مناظر احسن گیلانی' تقریظ و انتقاد بر "فتنہ ارتداد اور مراۃ المثنوی" ماہنامہ ترجمان القرآن' جلد ۴' نمبر ۲' ص ۷۷' صفر ۱۳۵۳ھ' جون ۱۹۳۴ء)

ضعفِ ارادہ

ضعفِ ارادہ کا ابتدائی ظہور کام چوری کی صورت میں ہوتا ہے ۔ آدمی ذمہ داریاں قبول کرنے سے جی چرانے لگتا ہے ۔ مقصد کی راہ میں وقت ' محنت اور مال خرچ کرنے سے گریز کرنے لگتا ہے ۔ دنیا کے ہر دوسرے کام کو اس کام پر ترجیح دینے لگتا ہے جسے وہ زندگی کا نصب العین قرار دے کر آیا تھا۔ اس کے اوقات میں' اس کی محنتوں میں ' اس کے مال میں' اس کے نام نہاد مقصدِ حیات کا حصہ کم سے کم ہوتا چلا جاتا ہے اور جس جماعت کو وہ برحق جماعت مان کر اس سے وابستہ ہوا تھا ' اس کے ساتھ وہ صرف نظم اور ضابطے کا تعلق باقی رکھتا ہے۔ اس کے بھلے اور برے سے کوئی غرض نہیں رکھتا' نہ اس کے معاملات میں کسی قسم کی دلچسپی لیتا ہے۔

(ایک بندہ خدا)

قتل و خوں ریزی کی لہر کیوں ؟

خرم مراد

آخری وصیت

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اور آخری حج تھا۔ آپؐ کے دنیا کو وداع کہنے میں صرف تین ماہ رہ گئے تھے ۔ حج وداع کے اس موقع پر ' عرفات اور منیٰ میں ' پے در پے کئی خطبات میں ' آپؐ نے اپنی امت کو وہ اہم تعلیمات دیں جن پر اس کی زندگی کا انحصار ہے۔ یہ آپؐ کا آخری وصیت نامہ ہے۔ اس موقع پر ' بخاری اور مسلم کی روایت کے مطابق ' ایک انتہائی مؤثر سوال جواب کے بعد' آپؐ نے فرمایا:

> تمہارے خون ' تمہارے مال ' اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے کے لیے اسی طرح حرام ہیں ' جس طرح آج کے دن کی ' اس مہینہ میں اور اس شہر میں ' حرمت ہے۔ جلد ہی تم اپنے رب سے ملو گے ' اور وہ تمہارے اعمال کے بارہ میں باز پرس کرے گا۔
>
> تو دیکھو' میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔
>
> سنو' کیا میں نے اللہ کے احکام پہنچا دیے؟
>
> لوگوں نے کہا' ہاں۔
>
> فرمایا' اے اللہ تو گواہ ہے۔

ابھی ابھی لاکھوں لوگوں نے حضورؐ کے حکم کی تعمیل میں حج ادا کیا ہے۔ عام معمول تو ہے ہی' لیکن حج کے مہینوں میں بھی دنیا بھر کے مسلمان اپنے محبوب رسولؐ کی اس آخری وصیت کی جس طرح کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے رہے ہیں ' اس کی داستان جگر خراش بھی ہے اور سامانِ عبرت بھی۔

قتل و خون ریزی کی لہر

۲۱ اپریل کو گوجرانوالہ کے ایک محلہ کے مسلمانوں نے اپنے پڑوسی ' حافظِ قرآن اور خادمِ خلق نوجوان ' سجاد فاروق کو ــــ اس افواہ پر مشتعل ہو کر کہ اس نے قرآن پاک کے چند اوراق جلا دیے ہیں ــــ انتہائی شقاوت کے ساتھ ' سڑک پر گھسیٹتے ہوئے ' پتھر مار مار کے شہید کر دیا۔ اس سے قبل ۵ اپریل کو ' ایک عیسائی منظور مسیح کو ' جس پر ہتکِ رسول کے الزام میں مقدمہ چل رہا تھا' ہائی کورٹ کے احاطہ میں ہلاک کر دیا گیا۔ اپریل کو لاہور میں شاہدرہ کی مسجد میں ایک بم پھینکا گیا' جس سے کئی مسلمان شہید اور زخمی ہو گئے ۔ مسجدوں میں فائرنگ اور بم کے ذریعہ قتل و غارت کا یہ سلسلہ ایک عرصہ سے جاری ہے۔ ۴ مئی کو سرگودھا میں ایک شیعہ عالم ' مقبول حسین کو گولی مار دی گئی' اور اس سے پہلے ۲۹ اپریل کو لاہور میں ایک سنّی عالم کا بھی یہی حشر کیا جا چکا تھا۔ فرقوں کے درمیان ایک دوسرے کے ممتاز علما کو قتل کرنے کا یہ بہیمانہ سلسلہ بھی ایک طویل عرصہ سے چل رہا ہے۔

ادھر ۳ مئی کو سکھر میں' اخباری رپورٹوں کے مطابق ' پولیس سے مقابلہ کا بہانہ بنا کر حکومت کے مسلح قانون نافذ کرنے والوں نے پانچ نوجوانوں کو دھوکہ سے حراست میں لیا' اور بعد میں ظالمانہ انداز میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ عدالتی کارروائی کے بجائے "پولیس مقابلوں" میں لوگوں کو ہلاک کرنے کا یہ طریقہ رائج ہوئے بھی بہت دن ہو گئے ہیں۔ لیکن سندھ میں امن و امان کے قیام کے لیے فوجی آپریشن اور مسلسل لسانی فسادات کی موجودگی میں یہ واقعہ خطرناک نتائج کا حامل ہے۔ چند دنوں سے کراچی میں روز ہی سڑکوں پر لوگ ہلاک ہو رہے ہیں' اور ایک مدت سے لسانی و نسلی خوں ریزیوں میں پورے سندھ میں لاشیں گر رہی ہیں' اور بے گناہ تعذیب و قتل کا شکار ہو رہے ہیں۔ ملک کے دائرہ سے باہر جائیے تو یمن میں ایک ہولناک جنگ برپا ہے ' جس میں مسلمان ' مسلمان کو مار رہا ہے۔ یہی منظر افغانستان میں دیکھا جا رہا ہے ۔

یہ غیر معمولی اور بڑے واقعات ایک طرف رکھیے ' کسی دن کا اخبار اٹھا لیجیے۔ قتل و خون اور تشدد کے لرزہ خیز اور اندوہ ناک واقعات سے بھرا ہوتا ہے ۔ گھروں میں ' سڑکوں پر ' محلوں میں ' معمولی معمولی تنازعات اور اشتعال پر بے قابو ہو کر لوگ اپنے والدین ' بچوں ' بیویوں اور بھائی بہنوں تک کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ لاہور کے ایک ممتاز وکیل جو صرف قتل کے مقدموں کی پیروی کرتے ہیں' کہتے ہیں " میرے موکلوں میں ۹ تعلیم یافتہ ڈاکٹر ہیں۔ اچھے بھلے

لوگ فوراً قتل پر اتر آتے ہیں' اور پھر عمر بھر سر پر ہاتھ رکھ کر روتے ہیں"۔

کیا مذہبی جنون ذمّہ دار ہے؟

مذہب کے نام پر قتل کے واقعات ہوئے تو ذمّہ دار فطری طور پر مذہبی جنون کو ٹھہرایا گیا۔ اس جنون کے خلاف بہت کچھ کہا اور لکھا گیا۔ مولوی ' فرقہ وارانہ منافرت ' اور مذہبی جنون کی آڑ میں اسلام کو بھی خوب نشانہ بنایا گیا ' اور سیکولرزم کا پرچار بھی کیا گیا۔ ہمیں بھی اندیشہ ہے کہ مذہب کے نام پر خون ریزی کا سلسلہ یونہی جاری رہا' تو یورپ کی طرح کہیں یہاں بھی ملا اور مسجد کے ساتھ اسلام کی بساط بھی لپیٹ کر سب کو کونہ بدر نہ کر دیا جائے' اور اباحت اور فکری انتشار پھیلانے کے ساتھ ساتھ سیکولرزم کے غلبہ کے لیے عملی اقدامات نہ کیے جانے لگیں۔

ایمان و اسلام کے نام پر ' جو سرتاسر امن و سلام کا پیغام ہیں' خون ریزی یقیناً سب سے زیادہ گھناؤنا فعل ہے۔ لیکن واقعات یہ بتاتے ہیں کہ "گردنیں کاٹنے" کا کام تو امت میں ہر جگہ اور ہر سطح پر اتنے بڑے پیمانہ پر ہو رہا ہے کہ مذہبی جنون مشکل سے اسباب کی فہرست میں جگہ پائے گا۔ کہیں نسلی و لسانی تعصب کا جنون ہے تو کہیں نظریاتی دشمنی کا' کہیں اقتدار کی ہوس ہے تو کہیں ہر قیمت پر حفظِ اقتدار کی۔ کہیں مال کا لالچ ہے ' کہیں اپنی عزت اور آن کا سوال ہے ' کہیں انتقام کا جوش ہے ' کہیں بے جا حمیت و غیرت کا ' کہیں خاندانی جھگڑے ہیں ' کہیں سیاسی۔ (بلکہ رنگ ' نسل ' نظریہ اور ہوسِ اقتدار کی قربان گاہ پر اس "بے مذہب" صدی میں جتنی جانوں کی بھینٹ چڑھائی گئی ہے اور انسانوں نے جتنا دکھ اٹھایا ہے ' اس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی)۔

انسانی جان کی حرمت کے بارہ میں ایمان اور اسلام کے تقاضے ' حضورؐ کی آخری وصیت ہی میں نہیں ' ہر جگہ واضح کیے گئے ہیں ۔ اور جس اسلوب میں اور جس شدت سے تاکید کی گئی ہے' وہ ہر قسم کے جنون پر قابو پانے کے لیے کافی ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس نے ایک انسان کو بے گناہ قتل کر دیا' اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا(۵ : ۳۲)۔ اور ایک مسلمان کے مارنے کے بارہ میں وعید دی ہے کہ "جو ایک مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے' اس کی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا"(۴:۹۳)۔

رسول اللہؐ نے فرمایا ہے : "اللہ کے نزدیک ساری دنیا کا زوال ناحق خون بہانے سے ہلکی اور کم تر بات ہے"(بیہقی)۔ حضرت مقداد بن اسودؓ کہتے ہیں کہ انھوں نے پوچھا ' یا رسول اللہؐ" اگر میں کسی کافر سے لڑ رہا ہوں اور وہ میرا ایک ہاتھ کاٹ کر بھاگ کھڑا ہو ' اور پھر جب میں اس کو

مارنے والا ہوں تو وہ کہے' لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ' تو اس کے کلمہ پڑھنے کے بعد کیا میں اسے قتل کر سکتا ہوں۔ فرمایا' اس کو قتل مت کرو۔ انھوں نے کہا' یا رسول اللہؐ' اس نے تو میرا ہاتھ کاٹ دیا ہے! رسول اللہؐ نے پھر فرمایا' اس کو قتل مت کرو۔ اگر تم نے اسے قتل کر دیا' تو وہ اس مقام پر آجائے گا جو اس کو قتل کرنے سے پہلے تمہارا تھا (یعنی مومن)' اور تم اس مقام پر آجاؤ گے جو اس کے کلمہ پڑھنے سے پہلے اس کا تھا (یعنی کافر)۔ (بخاری' مسلم)

ذمی کا لفظ مغرب کے زیر اثر' مذمت کا پہلو اختیار کر گیا ہے۔ لیکن ذمّی کے معنی اس شخص کے ہیں جس سے عہد و پیمان کیا گیا ہو۔ "ذمّہ" وہ ذمہ داری ہے جو اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا کی جان' مال' عزت و حرمت اور شہری حقوق کے سلسلہ میں اپنے اوپر لیتی ہے۔ اس لحاظ سے پاکستان کے تمام غیر مسلم اس معاہدہ کے تحت وہ تمام شہری حقوق رکھتے ہیں جو ۱۹۴۷ء کے معاہدہ تقسیمِ ہند کے تحت انھیں حاصل ہیں۔ اس معاہدہ سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ ان کے یہ حقوق کسی سیاسی مصلحت اور کسی اقوامِ متحدہ کے چارٹر کے تابع نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "جو مسلمان کسی (غیر مسلم) معاہد پر ظلم کرے گا' یا اس کے حقوق میں کوئی کمی کرے گا' یا اس پر اس کی استطاعت سے زیادہ بار ڈالے گا' یا اس کی کوئی چیز جبراً لے لے گا' تو میں خدا کی عدالت میں اس مسلمان کے خلاف خود غیر مسلم کا وکیل بن کر کھڑا ہوں گا" (ابو داؤد)۔

ان حقوق میں سب سے بڑا حق جان و مال کی حرمت کا ہے۔ اس بارہ میں بھی رسول اللہؐ نے بڑے سخت الفاظ میں تاکید فرمائی: "جس مسلمان نے کسی غیر مسلم معاہد کو قتل کیا' وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا' حالانکہ یہ خوشبو چالیس سال کے فاصلہ سے سونگھی جا سکتی ہے" (بخاری)۔

ان حقوق میں مذہبی آزادی ہے۔ حضورؐ نے نجران کے عیسائیوں کو اس کی ضمانت دی' اور یہی ضمانت ان سیکڑوں معاہدوں میں دی گئی جو آپؐ کے بعد کیے گئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے حیرہ فتح کیا' تو لکھ کر دیا: عیسائیوں کے گرجا اور کلیسا منہدم نہیں کیے جائیں گے' نہ انھیں ناقوس بجانے سے روکا جائے گا' نہ ان کے تہواروں پر انھیں صلیب نکالنے سے منع کیا جائے گا (کتاب الخراج)۔

شاتمِ رسولؐ کی سزا موت ہے' اس میں کسی اختلاف یا رواداری کی گنجائش نہیں۔ یہ بھی قلتِ فہم ہے کہ جب شتمِ رسولؐ کے ہر کیس پر بین الاقوامی دباؤ پڑنا شروع ہو جائے' سفارت

خانے سرگرم ہو جائیں' بنیادی حقوق کی دہائی دی جانے لگے ' حکومت خود لیت و لعل سے کام لے ' برسوں مقدموں کا فیصلہ نہ ہونے دے ' بلکہ سرے سے قانونِ توہینِ رسالت ہی کو ختم کرنے کی علانیہ بات کرے ' تو مسلمان مشتعل ہو کر قانون اپنے ہاتھ میں لینے پر اتر آئے' لیکن یہ کسی طرح جائز نہیں۔

یہ بنیادی قانون ہے کہ جس حد یا تعزیر کے نفاذ کا انحصار عدالت کے فیصلہ پر ہو ' وہ حد یا تعزیر جاری کرنے کا حق کسی فرد کو حاصل نہیں ۔ قصاص ' مقتول کے وارث کا حق ہوتا ہے نہ کہ ریاست کا ' لیکن عدالت کے فیصلہ کے بغیر وہ بھی اپنا حق نہیں لے سکتا۔ اس لحاظ سے جرم ثابت ہوئے بغیر ایک معاہد کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔

منظور مسیح کے قتل کو عیسائیوں نے اس رنگ میں پیش کیا جیسے اس قسم کے واقعات عیسائی دشمنی کا نتیجہ ہیں' جو پاکستان میں عام ہے ۔ لیکن مشتعل ہو کر قانون اپنے ہاتھ میں لے کر خون ریزی پر اتر آنا' ہمارے معاشرہ میں ایک ایسی خطرناک روش بن چکی ہے 'کہ اس میں عیسائی اور مسلمان کی کوئی تفریق نہیں۔ یہی معاملہ حافظ فاروق سجاد کے ساتھ پیش آیا۔

۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اس معاملہ میں کسی پڑوسی کی دشمنی کا دخل نہ تھا' نہ کسی فرقہ وارانہ عناد کا (اس لیے کہ ایسی کوئی بات اب تک ثابت نہیں ہوئی ہے)' بلکہ صرف غلط فہمی ' اشتعال انگیز اعلانات ' اور مشتعل ہجوم کی نفسیات اور اس دباؤ کے تحت ان کی متوقع روش کا نتیجہ تھا' جب بھی یہ اس جاہلیت کا شاخسانہ ہے جو جذبات سے مغلوب اور عقل سے عاری ہو کر قانون اپنے ہاتھ میں لینے سے گریز نہیں کرتی۔ جب تک یہ جاہلیت رہے گی' اس وقت تک صرف گھروں ' برادریوں اور بستیوں میں ناجائز غیرت و حمیت ' جذبۂ انتقام اور عزت سے مغلوب ہو کر ہی نہیں' بلکہ مذہبی معاملات میں بھی اس قسم کے واقعات رونما ہوتے رہیں گے۔

سندھ کے حالات

سندھ میں جو کچھ ہو رہا ہے ' اس میں سے کچھ بھی غیر متوقع نہیں۔ تقریباً دو سال قبل ' ہم نے جولائی ۹۲ میں ہی نشان دہی کی تھی کہ فوجی آپریشن کے "نتائج سنگین ہی ہوں گے ۔ مرض لا علاج بن سکتا ہے ' مریض ہمیشہ کے لیے درد و کرب کا شکار ہو سکتا ہے۔ وہ ہلاکت کے منہ میں بھی جا سکتا ہے"۔ یہ بھی ہم نے کہا تھا کہ "آپریشن کا آغاز کرنا ایک ایسی دلدل میں اترنے کے مترادف ہو گا' جس سے نکلنا مشکل ہو جائے' اور مزید دھنستے چلے جانا زیادہ قرینِ قیاس"۔ چنانچہ جو

آپریشن چھ ماہ کے لیے تھا' اس کے خاتمہ کے کوئی آثار نہیں۔ اب جو واقعات رونما ہوئے ہیں ' تو یہ سب خطرات آنکھوں کے سامنے آن کھڑے ہوئے ہیں جن کی ہم نے نشان دہی کی تھی : "اس کے نتیجہ میں سندھی اور مہاجر دونوں بہت دور چلے جائیں گے ' پاکستان کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے' فوج کا وقار ' عزت اور اس کے لیے محبت مجروح ہو سکتی ہے"۔

اصل وجہ

قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ قانون بالائے طاق رکھ کر شہریوں کو ہلاک کرتے پھریں' وہ بے گناہ ہوں یا ملزم یا سزا یافتہ' لوگوں کو امان دے کر' حراست میں لے کر ہلاک کرنا تو اخلاقی و قانونی طور پر ایک درندگی ہے۔ اس طرح نفرت کے وہ درخت اگ آئیں گے کہ ان کی شاخوں کو بھی کاٹنا ناممکن ہو جائے گا۔

مذہب کے نام پر خون ریزی کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں' نہ ان واقعات میں "مذہبی جنون" سب سے بڑا جرم ہے۔ قتل و خون ریزی کی اس لہر کی جڑ کہیں اور ہے۔ اور اس جڑ کی نشان دہی بھی اسی ذاتِ گرامیؐ نے کر دی ہے جس نے یہ "آخری وصیت" کی تھی کہ دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ فرمایا:

ظلم سے بچو بے شک قیامت کے دن گھپ اندھیرے 'ظلم ہی کے ہوں گے۔
اور شح سے بچو' بے شک شح ہی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا : شح نے ان کو ابھارا کہ وہ خون بہانے لگیں اور حرام اشیا (خون' مال' اور عزت) کو حلال کر لیں (مسلم)۔

شح کیا ہے ـ اس کے معنی بخل کے ہیں۔ بخل 'دل کی تنگی اور خود غرضی کا نتیجہ ہے۔ اگر گہرائی میں جائیں تو اس کی جڑ "لینے" کی حرص اور "دینے" سے انکار کی سوچ اور روش میں ہے۔ یعنی سب سے 'سب کچھ ــــ مال بھی' جاہ بھی ــــ صرف "لینے" کی' حاصل کرنے کی 'اور جمع کرنے کی طمع 'اور دوسروں کو کچھ بھی دینے سے انکار و اعراض' مال دینے سے 'وقت دینے سے 'حق دینے سے ' معافی دینے سے۔ دینا ہی پڑ جائے تو جس طرح اور جتنی کمی کر سکیں کر دیں' اسی فکر میں رہتے ہیں' جب کہ لیتے وقت ایک چھدام بھی کم لینے کو تیار نہ ہوں۔ انھی کو مُطَفِّفِیْن کہا گیا ہے۔ پھر دلوں پر زنگ چڑھتا جاتا ہے وہ تنگ اور سخت ہوتے جاتے ہیں۔ بخل ایسا چھا جاتا ہے کہ نہ ایک دمڑی نکلتی ہے' نہ معافی اور نرمی کا ایک کلمہ۔

ہر جگہ ہمیں یہی مرض نظر آئے گا۔ لوگ ایک دوسرے کو جگہ دینے کو تیار نہیں' ایک

دوسرے کو برداشت کرنے کو تیار نہیں' ایک دوسرے کا حق دینے کو تیار نہیں' ایک دوسرے کو اپنی توقعات کے باب میں چھوٹ دینے کو تیار نہیں' ایک دوسرے کے خلاف غصہ پینے کو تیار نہیں' ایک دوسرے کی مخالف رائے برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں' اپنے سے مختلف نسل اور رنگ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں' ایک دوسرے کو معافی دینے کو تیار نہیں۔ گھر ہو' کاروبار ہو' دفتر ہو' تھانہ ہو' پارلیمنٹ ہاؤس ہو' ایوانِ اقتدار ہو۔ جہاں عزت کی پامالی ہے' خون ریزی ہے' وہاں تہہ میں تنگ دلی اور بخل ہے' لینے کی طمع اور دینے سے انکار ہے' زیادہ سے زیادہ مال و جاہ کی طلب ہے اور ہر قیمت پر طلب ہے۔

صرف "لینا" اور دونوں ہاتھوں سے "دینا" : یہ دو متضاد سوچیں' طرز عمل ' اور طرزِ زندگی ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے سہولت ' آسانی اور جنت کا راستہ اعطا (دینے) کا راستہ ہے' اور تنگی ' مشکل اور جہنم کا راستہ بخل اور گن گن کر لینے اور جمع کر رکھنے (جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَہ) کا راستہ ہے۔

جو اس جنت کے طالب ہوں جس کی وسعت میں زمین و آسمان سما جائیں' تو یہ ان کی ہے جن کے دل بھی اتنے وسیع ہوں کہ آسمان و زمین ان میں سما جائیں' جو غصہ کے طوفانوں کو پی جائیں' جو لوگوں کو معاف کر دیں' جو دونوں ہاتھوں سے 'تنگی ہو یا فراخی' دیں اور دیں 'خرچ کریں اور خرچ کریں۔

یہ فراخی انھی کے حصہ میں آسکتی ہے جو دنیا کی زندگی کو اور دنیا کو 'صرف دنیا کو کمانے کے پیچھے ہی فنا نہ کر دیں' بلکہ فراخ جنت کے لیے بھاگ دوڑ کا ذریعہ بنائیں' اسی کے لیے مسابقت میں خرچ کریں۔ جب لوگ اس بات کو یاد رکھیں گے کہ وہ جلد اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں' اور وہاں صرف اعمال کا مال کام آئے گا اور اعمال سے جاہ و سرفرازی نصیب ہو گی' تو وہ انسانوں کی جان' مال اور عزت پامال کرنے سے بچنے لگیں گے۔ پھر انھیں یقین ہو گا کہ اگر وہ خود پورا پورا وصول کرنے اور دوسروں کو کم سے کم دینے کی روش پر گامزن رہے' تو ان کے دلوں پر زنگ کی تہیں چڑھتی جائیں گی' ان کے اور ان کے رب کے درمیان دیواریں کھڑی ہوتی جائیں گی' اور جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے' تو ان کا کوئی مصرف اس کے سوا نہ رہ جائے گا کہ وہ آگ کا ایندھن بنیں۔ جس طرح انھوں نے دنیا میں لوگوں کی زندگی کو جہنم بنایا تھا۔

ہمارے دانش ور' فکری و سیاسی لال بجھکڑ اور کالم نویس کتنے ہی تجزیے کر لیں' اور کتنے ہی حل نکال لیں اس کے علاوہ کسی حل سے یہ لعنت قابو میں نہ آئے گی۔ کیا ہم دیکھ نہیں رہے کہ

جہاں دولت کی ریل پیل ہے' کارخانوں کی بہتات ہے' سائنس و ٹیکنالوجی میں محیر العقول پیش رفت ہے' چمکتی و دمکتی موٹر وے ہیں' وہاں بھی یہ لعنت ان کے گلے کا پھندا بن چکی ہے' بلکہ اس پہلو سے بھی وہ ہم سے زیادہ "ترقی یافتہ ہیں"۔ وہاں تو' صادق و مصدوق' کی پیشگوئی کے مطابق' وہ وقت آگیا ہے جب نہ قاتل کو یہ معلوم ہو کہ اس نے مقتول کو کیوں مارا نہ مقتول کو یہ پتا ہو کہ اسے کیوں مارا گیا (مسلم)۔

صحیح مسلم میں حضرت سعدؓ کی روایت کے مطابق' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل دعا کے بعد فرمایا' میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ میری امت کو قحطِ عام میں ہلاک نہ کرے اور پانی میں غرق کر کے ہلاک نہ کرے۔ یہ دونوں دعائیں اس نے قبول کرلیں ۔ تیسرا سوال میں نے یہ کیا کہ میری امت میں باہمی لڑائی اور فساد نہ ہو۔ اس دعا سے اس نے مجھے منع فرمادیا۔

عداوت و بغض اور قتل و خون ریزی بھی اللہ کے عذاب کی ایک صورت ہے' جس کی خبر یوں دی گئی:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ (الانعام ۶: ۶۵)

کہو' وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کر دے' یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کر دے' یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھوا دے۔

اس بغض و عداوت اور باہمی قتل و خون ریزی کے عذاب کی وجہ بھی اس کے علاوہ کچھ نہیں جو اس نے یہود و نصاریٰ کے باب میں ذکر فرمادی ہے۔ یعنی اللہ سے اپنے عہد و میثاق کی خلاف ورزی' نعمتِ ہدایت کے احسان کی فراموشی' اپنے مقصدِ وجود سے دست کشی۔ اس روش سے توبہ کر کے قوم اللہ کی طرف رجوع کرے گی' تو قتل و خون ریزی سے نجات پائے گی۔

جو مسلمان کچھ بھی عقل اور سمجھ رکھتا ہے اسے خود بھی کھڑا ہو جانا چاہیے' اور قوم کو بھی متحرک کرنا چاہیے' تاکہ دل بیدار ہوں' اور ہم سب اپنے مقصدِ وجود کو پورا کرنے اور اللہ سے اپنا عہدو میثاق پورا کرنے میں لگ جائیں۔

دعوتِ دین اور حکمت و موعظۂ حسنہ

حکمت یہ ہے کہ آپ جب کام کرنے اٹھیں تو اپنی تحریک کے نقطۂ نظر سے جائزہ لے کر دیکھیں کہ آپ کن حالات میں کام کر رہے ہیں۔ تحریک کے نقطۂ نظر سے جائزہ لینے کا مطلب اس حقیقت کو سمجھنا ہے کہ آپ جو کام کرنے اٹھے ہیں اس کام کے لحاظ سے اس وقت کونسی چیز اس مقصد کے لیے معاون ہے اور کون سی چیز مانع ہے؟ آپ اس کا ٹھیک اندازہ کریں۔ پھر جو چیزیں مانع ہیں ان کا اس پہلو سے جائزہ لیں کہ ان کی وسعت کیا ہے' یہ کس پیمانے پر پھیلی ہوئی ہیں' ان کے پیچھے کون سی قوتیں کام کر رہی ہیں۔ ان کا اپنا پس منظر کیا ہے' کہاں سے یہ آ رہی ہیں' اور ان کا مقابلہ کس طریقے سے کیا جا سکتا ہے؟

ایک آدمی جو حکیم ہو وہ سب سے پہلے یہ دیکھنے کی کوشش کرے گا کہ میں کس زمانے میں اور کن حالات میں کام کر رہا ہوں۔ حکمت و دانشمندی کے ساتھ کام کرنے والا دین کی دعوت لے کر اٹھے گا تو اس چیز کو کبھی نظرانداز نہیں کرے گا کہ کتنا کچھ مصالحہ اس کے گردوپیش میں موجود ہے جو اس کام کے لیے مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ یہ دیکھے گا کہ جس سوسائٹی میں وہ کام کرنے چلا ہے وہ اسلام کو ماننے والی ہے یا اس کی مخالف ہے؟ چنانچہ ایک آدمی اسلام کی سخت مخالف اور دشمن سوسائٹی میں ہو گا تو وہ کوئی اور طریقہ کار اختیار کرے گا۔ جب کہ دوسرا آدمی جو اسلام کی منکر سوسائٹی میں ہو مگر وہ سوسائٹی' دشمنی میں سرگرم نہ ہو تو وہ وہاں کوئی اور طریقہ کار اختیار کرے گا ـــــ اسی طرح جب ایک آدمی ایسی سوسائٹی میں ہو جس میں اسلام کو ماننے والوں کی کثیر تعداد پہلے سے موجود ہو تو لازماً وہ وہاں دین کا کام کرنے کے لیے کوئی اور طریقہ کار اختیار کرے گا۔ ان میں سے ہر طریقہ کار میں دین ہی کا مفاد اور حکمت موجود ہو گی۔ سخت نادان ہو گا وہ آدمی جو ایک ہی نسخہ لے کر بیٹھ جائے اور ہر سوسائٹی میں اسی کو تقسیم کرنا شروع کر

دے۔ حکیم پہلے سمجھنے کی کوشش کرے گا کہ میں جس سوسائٹی میں کام کر رہا ہوں اس کے اندر کتنا مواد موجود ہے جو اس کی مطلوبہ تعمیر میں کام کر سکتا ہے۔ اب اس کی کوشش یہ ہو گی کہ جتنا موجود ہے وہ ضائع نہ ہونے پائے۔ گویا اس کا سب سے پہلا کام یہ ہو گا کہ وہ اس سرمائے کی حفاظت کرے۔

حکمت و بصیرت کیوں ضروری ہے

ایسے آدمی کو عاقل و دانا قرار دینا بہت مشکل ہے' جو مسلمانوں کے اندر پھیلی ہوئی بداخلاقیوں کو دیکھ کر' یا ان میں تساہل کو محسوس کر کے' پہلے تو یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ سوسائٹی اسلام سے منحرف ہو چکی ہے۔ پھر اس احساس کے نتیجے میں وہ اس طرح کام کا آغاز کرے جیسے وہ کفار کے درمیان کام کر رہا ہے۔ حالانکہ جو چیز ہمارے پاس واقعی موجود ہے اور اسلام کے لیے سازگار ہے' ہمارا کام یہ ہے کہ اس کو ضائع نہ ہونے دیں' اور کوشش کریں کہ یہ اور زیادہ مددگار بنے۔ دور پھینکنے کی بجائے اس کو قریب لانے کی کوشش کریں۔ جو چیزیں اس کو بگاڑنے والی ہیں ان کی مزاحمت کریں تاکہ یہ مزید نہ بگڑے۔ ہم ہمیشہ اس بات کو اپنے سامنے رکھیں کہ جیسا کچھ بھی اور جتنا کچھ بھی لوگوں میں جذبہ موجود ہے' وہ اسلام کے حق میں کام آئے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک حکیم اپنے کام کا آغاز کیسے کرتا ہے اور اس کام کے لیے بصیرت و حکمت کی ضرورت کیوں ہے۔

اسی طرح دین کا کام کرنے والے کو یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ کون سی قوتیں ہیں جو یہاں اسلام کے خلاف کام کر رہی ہیں۔ ان کے پیچھے محرکات کون سے ہیں۔ ان کے افکار کا ماخذ کیا ہے' ان کا فلسفہ کیا ہے۔ وہ بنیادیں کیا ہیں جن پر یہ قوتیں کام کرنے اٹھی ہیں۔ ان ساری چیزوں کا جائزہ لے کر وہ دیکھے گا کہ کیسے ان سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے' اور کیوں کر ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے — مثال کے طور پر ایک شخص جو کسی پہلوان سے کشتی لڑنے جا رہا ہو' وہ پہلے یہ دیکھے گا کہ یہ پہلوان کتنا طاقت ور ہے' اس کا وزن کیا ہے' ان کے معروف داؤ پیچ کون کون سے ہیں' اس کے سابقہ مقابلوں کا کیا نقشہ ہے' اس کے مقابلے میں مجھے کتنی تیاری کرنی چاہیے' اور کتنی طاقت فراہم کرنی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ وہ ان سارے پہلوؤں کا جائزہ لے کر مقابلے کے لیے آگے بڑھے گا۔ دوسرے کی طاقت کا اندازہ لگائے بغیر اکھاڑے میں اترنے والا آپ سے آپ پچھڑے گا۔

اس کے ساتھ حکمت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ لائن آف ایکشن (Line of action) ایسی

شذرات

آج اسلام پھر ارضِ مغرب کے وساوس و شکوک کے اندھیرے میں گھرا جا رہا ہے۔ اسلامی اقوام کے جن خاندانوں کا تعلق مغربی تہذیب سے ہو رہا ہے بتدریج ان میں اللہ کی کتاب اور اپنے رسول کے "پیغام" سے ارتداد پیدا ہو رہا ہے۔ وسطانی دور کے ارتداد میں چونکہ اسلام سیاسی طور پر قوموں کے مقابلہ میں برتری حاصل کیے ہوئے تھا اس لیے جیسا کہ میں نے کہا ہے، اس ذہنی ارتداد اور باطنی بغاوت نے مسلمانوں کے "ظاہر" کو کم متاثر کیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے "ارتداد" کا جو دور مغرب کے اثر سے اب شروع ہوا ہے، اس وقت بدبخت مسلمان اپنے سیاسی تفوق کو بھی کھو بیٹھے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت جو "ارتداد" باطن میں پیدا ہوتا ہے، کچھ دن تو سوسائٹی کے دباؤ سے اندر ہی دبا رہتا ہے لیکن جیسے جیسے خاندانوں کا تعلق اپنے قبیلہ سے کمزور ہوتا جاتا ہے۔ سوسائٹی کی گرفت ڈھیلی پڑتی جاتی ہے اور مغربی قوت سے ان کو نزدیکی حاصل ہوتی جاتی ہے، اسی نسبت سے یہ "ارتداد" اندر سے نکل نکل کر باہر آ رہا ہے۔ مغربی طرز کے اسکول و مدارس "ارتداد" کی اس آگ کو ہوا دینے میں سب سے زیادہ اس وقت معاون و مددگار ہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا آخری انجام کیا ہے۔ صرف ختمِ نبوت کی وَالْعِصمت اور اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ کا وعدہ یاس کی گھڑیوں میں "امید" کی خنکی پہنچا رہا ہے۔ ورنہ واقعات کی جو رفتار ہے اس سے درد والوں کے دل پگھل رہے ہیں، جگر کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں۔ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔

(مناظر احسن گیلانی، تقریظ و انتقاد بر "فتنہ ارتداد اور مراۃ المثنوی" ماہنامہ ترجمان القرآن، جلد ۴، نمبر ۲، ص ۷۷، صفر ۱۳۵۳/جون ۱۹۳۴)

گمراہی کے اسباب کیا ہیں' پھر اس کو اس کے مطابق سمجھائیں۔ اگر وہ ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہے تو آپ اس کی ذہنی الجھنیں رفع کرنے کی کوشش کریں' اور معقول دلائل کے ساتھ اسے مطمئن کرنے کی کوشش کریں۔ اگر کوئی شخص کسی جذباتی بگاڑ میں مبتلا ہے تو اسے سمجھانے میں ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے اس کے جذبات میں اگر دین سے انحراف کی کوئی چیز ہو تو وہ پلٹ کر دین کی طرف مائل کرنے والی بن جائے۔

اسی سلسلے میں ایک بات اور بھی نگاہ میں رکھیے۔

جو آدمی دعوت و تبلیغ کا کام کرنے اٹھتا ہے اس کو دنیا میں طرح طرح کے آدمیوں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ اس کو موافقین ہی نہیں ملتے مخالفین بھی ملتے ہیں۔ مخالفین میں بعض لوگ نہایت بدزبان اور بدمزاج ہوتے ہیں۔ بعض لوگ آپ کو شکست دینے کے لیے ایسے طریقے استعمال کرتے ہیں کہ اگر آپ جوابی کارروائی پر اتر آئیں تو اپنے مقصد اور مدعا سے دور ہٹتے چلے جائیں گے۔ جس آدمی کو بھی دعوت و تبلیغ کا کام کرنا ہو اس کے اندر بے انتہا صبر و تحمل ہونا چاہیے۔ یہ چیز کہیں جا کر بھی ختم نہیں ہونی چاہیے۔ سخت سے سخت باتوں کو بھی آپ برداشت کریں اور ٹال دیں۔ جو شخص آپ کو الجھانے کی کوشش کرے اس کو ایک مرتبہ آپ معقول طریقے سے سمجھائیں۔ لیکن جب آپ سمجھ لیں کہ یہ شخص محض الجھانا چاہتا ہے تو اس کو سلام کر کے علیحدہ ہو جائیں۔ اپنا وقت ایسے افراد پر بالکل ضائع نہ کریں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی راستے سے گزر رہے ہیں اور دونوں طرف کانٹے دار جھاڑیاں ہیں اور ہر جھاڑی آپ کے دامن سے الجھ رہی ہے' اب اگر آپ نے ایک ایک جھاڑی سے خود ہی الجھنا شروع کر دیا تو راستہ طے نہیں کر سکیں گے۔ تھوڑی دیر کے لیے اپنے دامن کو کسی کانٹے سے بچانے کی فکر کیجیے' لیکن جب دیکھیں کہ نہیں چھوڑتا تو دامن پھاڑ کر کانٹے کے حوالے کیجیے کہ تُو اس سے دل بہلا' میں آگے چلا۔

کام کرنا ہے تو یہ راستہ آپ کو اختیار کرنا پڑے گا۔

(اجتماع اسلامی جمعیت طلبہ' ۱۷ مارچ ۱۹۶۸ء کراچی)

فہمِ حدیث

کلامِ نبویؐ کی صحبت میں

○

حضرت ابو ذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربِ عزوجل کی ایک حدیثِ قدسی میں بیان فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میرے بندو' میں نے ظلم کرنا اپنے اوپر بھی حرام کیا ہے' اور تمہارے درمیان بھی۔ پس ایک دوسرے پر ظلم ہرگز نہ کرنا۔

میرے بندو' تم سب گمراہ ہو' سوائے اس کے جسے میں ہدایت دوں۔ پس مجھ ہی سے ہدایت مانگو' میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ میرے بندو' تم سب بھوکے ہو' سوائے اس کے جسے میں کھلاؤں۔ پس مجھ ہی سے کھانا مانگو' میں تمہیں کھلاؤں گا۔ میرے بندو' تم سب ننگے ہو' سوائے اس کے جسے میں کپڑے پہناؤں۔ پس مجھ ہی سے کپڑے مانگو' میں تمہیں پہناؤں گا۔ میرے بندو' تم رات دن گناہ کرتے ہو' اور میں سب گناہ بخش دیتا ہوں۔ پس مجھ سے ہی بخشش مانگو' میں تمہارے گناہ بخش دوں گا۔

میرے بندو' تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کہ میرا نقصان کر دو' نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہو کہ میرا نفع کر دو۔ میرے بندو' اگر تمہارے اگلے پچھلے اور جن و انس سب مل کر متقی سے متقی انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو میری سلطنت میں [مچھر کے پر کے برابر بھی] اضافہ نہ ہو گا۔ اور میرے بندو' اگر تمہارے اگلے پچھلے اور جن و انس سب مل کر' بدکار سے بدکار انسان کی طرح ہو جائیں تو میری سلطنت میں [مچھر کے پر کے برابر بھی] کمی نہ آئے گی۔ اے میرے بندو' اگر تمہارے سارے اگلے پچھلے اور جن و انس ایک جگہ جمع ہو جائیں' اور مجھ سے وہ سب کچھ مانگ لیں جو چاہیں' اور میں ان کو ہر منہ مانگی مراد دے دوں' تو بھی میرے پاس (خزانوں میں) کوئی بھی کمی نہ آئے گی' جیسے کہ سوئی کی نوک سمندر میں (کوئی کمی نہیں کر سکتی)۔

میرے بندو' در حقیقت تو یہ تمہارے اعمال ہیں جو میں تمہارے لیے گن گن کر رکھ رہا

ہوں' اور یہی تمہیں پورے کے پورے واپس کر دوں گا۔ پس جسے آخرت میں بھلائی ملے' وہ اللہ کا شکر ادا کرے (کہ اس کی رحمت نے دست گیری کی)۔ اور جسے اس کے برخلاف (برائی) ملے' وہ اپنے نفس کے علاوہ کسی کو ملامت نہ کرے (مسلم' ترمذی' ابن ماجہ' احمد)۔

اللہ کے ساتھ سراسر فقیری و محتاجی کا' اور بندوں کے ساتھ سراسر عدل و احسان کا تعلق : مختصراً بس یہ ہے وہ صاف اور سیدھی شاہراہ جس پر چلنے سے زندگی کا انجام بخیر ہو گا۔

اللہ کی طرف ظلم کی نسبت کا کیا سوال ! اس کی شانِ رحیمی ہے کہ بندوں کو ظلم سے روکنے' اور اس ظلم کی حرمت دل پر نقش کرنے کے لیے وہ یہ کہتا ہے: "ظلم میں نے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے"۔

ظلم صرف اپنے نفس کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے (اگرچہ ہر ظلم بالآخر اپنے نفس پر ظلم ہے)' اللہ کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے (کہ شرک ظلمِ عظیم ہے)' مگر یہاں تو اپنے جیسے انسانوں پر ظلم کی حرمت کی شدت محسوس کیجیے' کہ قصاص یا مظلوم سے معافی کے علاوہ اس کے وبال سے نجات کی کوئی صورت نہیں۔

اللہ کے ساتھ مکمل محتاجی اور فقیری کی یہ نسبت ہی ایمان باللہ کی روح ہے : ہر چیز اسی کی دی ہوئی ہے' منہ میں لقمہ وہ رکھتا ہے' پانی کی گھونٹ وہ پلاتا ہے' کپڑے وہ پہناتا ہے' شفا وہ دیتا ہے' راستہ وہ دکھاتا ہے' راستہ پر وہ چلاتا ہے' اور جب گناہ ہوں (کہ ان نعمتوں کا حق ادا کرنا ممکن نہیں) تو معاف وہ کرتا ہے۔

ظلم کی حرمت پہلے بیان کی' اپنے ساتھ فقر و احتیاج کا تعلق بعد میں۔ محتاج و فقیر بندہ جس کے پاس اپنا کچھ نہیں' وہ دوسروں پر ظلم پر کمر کیوں باندھے۔

جو کچھ مانگنا ہے اس سے مانگو' کہ اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں۔ لیکن یہ جان لو کہ دنیا و مافیہا کی قیمت اس کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر نہیں۔

ہم نیکی کی انتہائی بلندیوں کو چھو لیں تو اللہ کو کوئی فائدہ نہیں' بدی کی انتہائی پستیوں میں گر جائیں تو اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اپنے اعمال اپنے ہی بھلے اور برے کے لیے ہیں۔

○

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن آدم کے بیٹے کے لیے تین رجسٹر لائے جائیں گے : ایک میں عمل صالح ہوں گے' دوسرے میں اس کے گناہ' تیسرے میں اس پر اللہ کی نعمتیں۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کے رجسٹر میں سے سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا : اس کے عملِ صالح سے اپنی قیمت وصول کر لو۔

تو وہ ایک ہی نعمت آگے بڑھ کر اس کے تمام اعمالِ صالحہ لپیٹ لے گی' اور پیچھے ہٹ کر کے

گی: تیری عزت کی قسم، اے رب، میں نے پوری قیمت نہیں پائی۔ پس سب گناہ اور ساری نعمتیں باقی رہ جائیں گی مگر عمل صالح ختم ہو جائیں گے۔

پھر اللہ بندہ پر رحم کرنا چاہے گا تو فرمائے گا: میرے بندے، میں نے تیری نیکیاں (دگنی چوگنی) بڑھا دیں، تیری برائیوں کا حساب چھوڑ دیا اور اپنی نعمتیں تجھے ہبہ کر دیں (البزار)۔

نیک و بد اعمال کا شمار ہو سکتا ہے، اللہ کی نعمتوں کا شمار ممکن نہیں۔ ہر سانس، دل کی ہر دھڑکن، گویائی، بینائی اور سماعت، اور ہاتھ پاؤں کا ہر استعمال، جسم کے تقریباً ساڑھے تین کھرب خلیوں میں سے ہر خلیہ کا صراط مستقیم پر قائم رہنا۔ جب کہ ایک ہی خلیہ کا درپے آزار ہو جانا موت کے مترادف ہوتا ہے، یہ تو صرف چند جسمانی مادی نعمتیں ہیں۔ باقی کا کیا شمار۔

نیک اعمال کے لیے یہی کافی ہے کہ وہی رحمت الٰہی کو متوجہ کرنے کا ذریعہ ہیں۔ نیک اعمال سے لاپرواہ رہ کر جنت کا خواب دیکھنا پرلے درجہ کی حماقت ہوگی۔ لیکن یہ بھول جانا بھی کم حماقت نہ ہوگی کہ ایک چھوٹی سے چھوٹی نعمت الٰہی بھی زندگی بھر کی ساری نیک کمائی سے زیادہ وزنی ہے، اس لیے اللہ کی دستگیری کے بغیر جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔ ہر لمحہ زبان پر حمد ہو، دل شکر سے معمور ہو، اور ہاتھ پھیلا پھیلا کر اپنی ناشکریوں پر استغفار اور معافی کی درخواست۔ صرف اپنے اعمال پر بھروسہ نہ ہو، نہ ان پر ناز، نہ کبر، نہ دوسروں پر برتری کا احساس۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ مجھے بھی میرا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا الا یہ کہ اللہ کی رحمت دستگیری کرے (بخاری، مسلم)۔

○

حضرت انسؓ بن مالکؓ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: میرے بچے، اگر تم سے ہو سکے کہ صبح و شام اس طرح گزارو کہ تمہارے دل میں کسی کی طرف سے کوئی میل اور کھوٹ نہ ہو، تو یہ ضرور کرو۔ پھر فرمایا: میرے بچے، یہ (دل صاف رکھنا) میری سنت ہے۔ جس نے میری سنت سے محبت رکھی (اور اس پر چلا)، وہی میری محبت رکھتا ہے، اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا (ترمذی)۔

جنت میں داخل ہونا، اور وہاں حضورؐ کے ساتھ رہنا، اس سے بڑھ کر آرزو اور تمنا کیا ہو سکتی ہے! حضورؐ کا ساتھ اسے ضرور نصیب ہو گا جو آپؐ سے محبت رکھتا ہو گا، کہ آپؐ نے بشارت دی ہے کہ "آدمی اس کے ساتھ ہو گا جس سے محبت ہو گی"۔

لیکن محبت کی علامت، سنت نبویؐ پر چلنا ہے۔ اور یہاں ایک ایسی سنت کا ذکر ہے جس کے بارہ میں یہ

خیال بھی مشکل سے آتا ہے کہ یہ سنت ہو گی۔ اس لیے کہ اب عموماً سنت کا تصور ظواہر و رسوم سے بندھ گیا ہے۔ وہ سنت یہ ہے کہ صبح شام، ہر وقت اور ہر دم، دوسروں کی طرف سے سینہ صاف رکھنا، اور دل میں کسی کے لیے میل رنجش یا کدورت نہ رکھنا۔

یہ بہت آسان کام تو نہیں، کچھ زیادہ مشکل بھی نہیں، ہے بھی بہت اہم۔ اس سے آخرت ہی میں جنت نصیب نہیں ہو گی، دنیا میں بھی زندگی جنت بن جاتی ہے۔ بس آدمی دوسروں سے توقعات منقطع کر لے، اپنی طرف سے ہر ایک سے بھلائی کرے، صرف اللہ کے لیے کرے، اپنے کیے کو کم جانے، اور کسی سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو غصہ کو پی جائے اور عفو و درگزر سے کام لے، دل میں شکایت نہ پالے۔ یہ طریقہ ہے دل صاف رکھنے کا۔

○

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرے اصحاب میں سے کوئی، کسی کے بارہ میں، مجھے کوئی (بری) بات نہ پہنچائے۔ اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ میں تم سے اس حال میں ملوں کہ میرا سینہ ہر ایک سے صاف ہو (ترمذی)۔

اپنے ظن و قیاس، اور مفروضات، اور اپنے گلوں شکووں، (وساوسِ نفس) کے بعد، دل میں میل پیدا ہونے کا دوسرا ذریعہ لوگوں کی پہنچائی ہوئی باتیں ہیں۔ اس لیے حضورؐ نے اس کی مکمل ممانعت فرمائی۔

○

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ جو کچھ سنے اسے (بلا تحقیق، بلا ضرورت، یا عزت پر دست درازی کرنے کے لیے) بیان کرتا پھرے۔ (مسلم)

ہر بات کے لیے ثبوت کا ایک معیار ہے، ہر بات قبول کرنے کے لیے مطلوبہ معیار پر ثبوت ضروری ہے۔ مثلاً آنکھوں سے کسی کو بدکاری کرتے دیکھا ہو جب بھی اسے بیان کرنے پر ۸۰ کوڑے کی سزا ہے جب تک تین مزید عینی گواہ نہ ہوں۔ اس لیے بلا تحقیق کسی کے بارہ میں کوئی بات قبول نہ کرنا چاہیے، اور تحقیق ہو جائے جب بھی اس طرح آگے بیان نہ کرنا چاہیے کہ کسی شرعی حدود کی خلاف ورزی ہو۔ (مرتبہ: خرم مراد)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی شرائط

امام ابو حامد محمد غزالیؒ / عارفہ اقبال

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' یا احتساب' ہر اس شخص پر واجب ہے جو عاقل' بالغ اور مسلمان ہو' اور احتساب کی قدرت رکھتا ہو' اس طرح مجنون' نابالغ' کافر اور عاجز کو چھوڑ کے' ہر مسلمان پر واجب ہے' اگرچہ حکومت کی طرف سے اجازت نہ دی گئی ہو۔ اس وجوب میں عورت' غلام اور فاسق بھی داخل ہیں۔ اب ہم ان شرائط کی وجوہات بیان کریں گے' اور جو شرائط ہم نے شامل نہیں کیں ان کے ترک کی وجوہات بھی۔

شریعت کے ہر حکم کی طرح اس معاملہ میں بھی شرطِ اوّل' مکلّف ہونا یعنی عاقل اور بالغ ہونا ہے۔ لیکن یہ وجوب کی شرط ہے' جواز کی نہیں۔ چنانچہ ایک تمیزدار لڑکے کے لیے جائز ہے کہ وہ منکر سے روکے' مثلاً شراب کو بہا دے۔ وہ ثواب پائے گا اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ اسے روکے۔ جس طرح وہ نماز اور امامت کا اہل ہے' منکر سے روکنے کا بھی ہے۔

دوسری شرط مسلمان ہونے کی ہے۔ کیونکہ احتساب دین کی نصرت کا نام ہے' تو دین کا منکر اس کا اہل کیسے ہو سکتا ہے۔

عدالت کی شرط

بعض لوگوں نے تیسری شرط عادل ہونے کی لگائی ہے۔ ان کی رائے میں فاسق کے لیے احتساب کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک' اوّل تو قرآن نے ان لوگوں پر سخت الفاظ میں وعید کی ہے جو دوسروں کو تو حکم دیتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے۔ دوسرے' آدمی کو پہلے اپنی برائی کی اصلاح کرنا چاہیے' پھر دوسروں کی۔ تیسرے' جو خود راہ پر نہیں ہو گا وہ دوسرے کو کیسے درست کرے گا۔ لیکن ہمارے خیال میں حق یہی ہے کہ فاسق

کے لیے احتساب جائز ہے۔

اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ محتسب سب گناہوں سے پاک ہو' تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ احتساب کا دروازہ بالکل بند ہو جائے' کیونکہ معصوم تو صحابہ بھی نہ تھے۔ سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہی کیا کرے جس میں کوئی گناہ نہ ہو تو کوئی بھی اس امر کی تعمیل نہ کر سکے گا۔

کہا جاتا ہے کہ صغیرہ گناہوں سے پاک ہونا شرط نہیں ہے' مثلاً ریشم پہننے والا زنا اور شراب خوری سے منع کر سکتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کافروں سے جہاد کرنے والے لشکروں میں تو شرابی' یتیموں پر ظلم کرنے والے اور ہر قسم کے گناہ گار ہمیشہ شامل رہے --- نہ حضورؐ کے وقت میں ان کو جہاد سے منع کیا گیا نہ بعد میں --- تو جب ایک شرابی اور زانی کفر سے روکنے کے لیے جہاد کر سکتا ہے تو کیا وہ قتل سے منع نہیں کر سکتا؟ یہ دلیل بھی صحیح نہیں کہ ایک گناہ گار' اسی جیسے یا اس سے کم درجہ کے گناہ سے نہیں روک سکتا۔ اگر شرابی' قتل اور زنا جیسے بڑے گناہوں سے منع کر سکتا ہے' تو زانی شراب خوری سے بھی منع کر سکتا ہے۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی خود شراب پیے اور اپنے خادموں کو شراب پینے سے منع کرے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ خود شراب نہ پینا اور دوسرے کو شراب پینے سے روکنا' دو الگ الگ حکم ہیں۔ ایک حکم نہ ماننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا حکم بھی نہ مانا جائے۔

کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے' جس طرح نماز سے پہلے وضو ضروری ہے۔ اگر کوئی وضو کر لے اور نماز نہ پڑھے' وہ اسی شخص کی طرح ہے جو اپنی اصلاح نہ کرے اور دوسرے کی اصلاح کرنا چاہے۔ ہمارے خیال میں یہ مثال غلط ہے' کیونکہ وضو اور نماز ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں اور احتساب کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ بس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح ایک شخص اگر وضو کر لے اور نماز نہ پڑھے' تو اس کا عذاب اس شخص کی نسبت کم ہو گا جو وضو اور نماز دونوں کا تارک ہو۔ اسی طرح جو شخص منع کرنا اور خود باز رہنا دونوں چھوڑ دے گا اس کو عذاب زیادہ ہو گا بہ نسبت اس کے جو دوسرے کو منع کرے اور خود وہی کام کرے۔

یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے کہ ایک شخص خود گناہوں میں آلودہ ہو اور دوسروں کو گناہ کرنے سے روکے۔ لیکن عجیب لگنے سے حقیقت بدل نہیں جاتی۔ پیروی دلیل کی کی جاتی ہے نہ کہ وہم و خیال کی۔ ایک زانی کسی عورت کو احکامِ حجاب کی خلاف ورزی پر ٹوکے تو ہر ایک

اس کو برا سمجھے گا۔ لیکن یہ اس لیے نہیں کہ ایک حرام کرنے سے دوسرا فریضہ حرام ہو گیا' بلکہ اس سبب سے کہ اس نے زیادہ ضروری چیز کا خیال نہ کر کے کمتر ضروری چیز اختیار کی۔

فاسق آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے' تو اوّل تو اس لیے برا ہے کہ اس کے لیے آخرت میں' بہ نسبت دوسرے کے گناہ کے' اپنے گناہ زیادہ نقصان دہ ہوں گے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص خود برے کام کرتا ہو اس کا وعظ دوسرے پر اثر نہیں کرتا۔ اگر معلوم ہو کہ یہ شخص میرے فسق کا حال جاننے کی وجہ سے میری بات کا اثر نہیں لے گا تو پھر احتساب واجب نہیں رہتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس صورت میں عادل ہونے کی شرط صحیح ہو گی۔ لیکن جہاں احتساب طاقت کے استعمال سے ہو' اور فاسق کے پاس طاقت ہو' تو اس میں عادل ہونا شرط نہیں۔ اگر ایک گناہگار شخص شراب گرا دے یا لھو کے آلات توڑ دے تو اس کو روکا نہیں جا سکتا۔

حکومت کی اجازت

چوتھی شرط بعض لوگ یہ لگاتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے حاکم کی طرف سے اجازت ضروری ہے' ہر ایک یہ کام نہیں کر سکتا۔ ہمارے خیال میں یہ شرط باطل ہے۔ کیونکہ دین کا عام حکم ہے کہ برائی جہاں جس حال میں دیکھے منع کرے' جو شخص خاموش رہے وہ گناہ گار ہو گا۔ اس پر حکومت کی اجازت کی قید لگانا دعویٰ بے دلیل ہے۔

دراصل اس فریضہ کے پانچ مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ بتانے کا ہے' دوسرا نرم الفاظ میں نصیحت کرنے کا' اور تیسرا سخت الفاظ میں ٹوکنے کا۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں صورتوں میں حکومت کی طرف سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ حدیث میں حکمراں کے خلاف سچ بولنے کا حکم ہے اور اس میں اس کی اجازت کا سوال ہی نہیں ہے۔ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ زبردستی کی جائے' مثلاً لھو کے آلات توڑ دیے جائیں یا چھینا ہوا مال غاصب سے چھین کر مالک کے حوالے کر دیا جائے۔ ہمارے نزدیک اس کے لیے بھی حکومت کی اجازت ضروری نہیں۔ پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ مددگار جمع کر کے قوت کے ذریعہ برائی سے روکا جائے۔ یہاں یہ بحث ہو سکتی ہے کہ حکومت کی اجازت کے بغیر یہ فعل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس صورت میں بلوہ بھی ہو سکتا ہے۔

اکابر سلف ہمیشہ حکمرانوں کا احتساب کرتے رہے ہیں' اور اس سلسلہ میں ان کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ حکومت کی طرف سے اجازت ضروری نہیں۔ ایک مرتبہ خلیفہ

مہدی طواف کرنے آیا تو عام لوگوں کو خانہ کعبہ کے پاس سے ہٹا دیا گیا۔ عبداللہ بن مرزوقؒ وہاں موجود تھے۔ انھوں نے لپک کر مہدی کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دور نزدیک سے ہر آنے والے کو یہاں قریب ہونے کی اجازت دی ہے' تو خانہ کعبہ کے قریب جانے سے روکنے والا کون ہوتا ہے؟ مہدی نے ان کو قید کروا دیا اور وہ اس کی وفات تک جیل میں رہے۔ ایک واقعہ ہارون رشید کے زمانے کا ہے کہ اس کا غلام موسیقی کا آلہ عود لیے جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک بوڑھے نے دیکھا تو اس کے ہاتھ سے لیا' اور زمین پر مار کے توڑ ڈالا۔ غلام نے ہارون کو بتایا تو اس نے بوڑھے کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ اس کے آنے سے پہلے ہارون کو فکر ہوئی کہ یہاں کئی منکر چیزیں ہیں' یہاں سے ہٹوا دیں یا کسی اور جگہ چل کر بیٹھیں۔ سب کی رائے یہی ہوئی کہ دوسری جگہ چل کر بیٹھا جائے۔ بوڑھا آیا تو ہارون نے اس سے اس کی حرکت کا سبب پوچھا۔ بوڑھے نے جواب دیا کہ میں نے تمھارے باپ دادا ہی کو منبروں پر یہ آیت پڑھتے سنا ہے:

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذالقربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی۔ میں نے ایک امرِ منکر دیکھا تو اس کو بگاڑ دیا۔ ہارون خاموش رہا اور اس کو جانے دیا۔

مامون کے زمانے میں ایک آدمی لوگوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا پھرتا تھا۔ مامون نے اسے بلا کر پوچھا کہ تم یہ کام کیوں کرتے ہو جبکہ ہم وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کام مخصوص کر دیا ہے۔ وہ ہماری شان میں فرماتا ہے: **الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوة واتوا الزکوة وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر**۔ اس آدمی نے جواب دیا کہ ہم اس معاملہ میں آپ کے مددگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر**' اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن دوسرے مومن کے لیے مثل عمارت کے ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت دیتا ہے۔ اللہ نے تم کو زمین پر حکومت دی ہے' جو شخص تمھارے فرائض کی ادائیگی میں مدد کرے تمھیں اس کا شکرگزار ہونا چاہیے۔ مامون اس کی گفتگو سن کر خوش ہوا اور کہا کہ جاؤ اپنا کام کرتے رہو۔

مرتبہ کا فرق

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر شخص دوسرے کا احتساب کر سکتا ہے یا عمر' علم' مرتبہ وغیرہ کے تفاوت کا کچھ لحاظ کیا جائے گا؟ مثلاً کیا بیٹا باپ کا احتساب اسی طرح کر سکتا

ہے جس طرح کسی اور شخص کا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیٹا باپ کا احتساب پہلے دو مرتبوں کے مطابق کر سکتا ہے' یعنی بتلائے اور ملائمت سے نصیحت کرے۔ سختی سے ٹوکنے اور مار پیٹ کرنے کا اسے حق نہیں ہے۔ لیکن ایک مرتبہ میں' یعنی طاقت کے ذریعہ نہی عن المنکر' مثلاً شراب گرانے جیسے معاملات میں ذرا تفصیل میں جانا پڑے گا۔ قیاس تو یہی کہتا ہے کہ بیٹے کو اس کا حق ہونا چاہیے کیونکہ مارنے اور گالی دینے کی طرح یہ افعال باپ کی ذات سے براہ راست متعلق نہیں ہیں۔ لیکن باپ کو ان سے تکلیف پہنچے گی' اور نوبت اس کی ناراضی تک پہنچ سکتی ہے۔ ہمارے خیال میں اس طرح کی صورتِ حال میں یہ دیکھنا چاہیے کہ برائی کی نوعیت اور ناراضگی میں کیا تناسب ہے۔ اگر برائی کم درجہ کی ہے اور ناراضگی زیادہ' تو بیٹے کو باز رہنا چاہیے۔ مثلاً کوئی قیمتی تصویر خراب کرنے سے باپ کے بہت زیادہ ناراض ہونے کا ڈر ہو تو تصویر کو یونہی چھوڑ دینا چاہیے' کیونکہ یہ اتنی بڑی برائی نہیں ہے۔ شراب بہا دے' جس سے زیادہ نقصان نہ ہو اور زیادہ ناراضگی کا ڈر بھی نہ ہو۔ کیونکہ شراب پینا بڑا گناہ ہے۔

اس جگہ یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو کسی تخصیص کے بغیر ہر ایک کے لیے ضروری ہے' پھر ہم نے باپ اور بیٹے کے معاملہ میں اس طرح کا استثنا کیوں کر لیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ باپ کے حق میں خاص وہ باتیں وارد ہوئی ہیں جن سے باپ عام سے مستثنیٰ ہو گیا ہے۔ مثلاً زنا کی حد میں جلاد کو اپنے باپ کا قتل کرنا جائز نہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معاملہ میں جس طرح باپ بیٹے کا استثنا ہے' اسی طرح بیوی شوہر اور غلام آقا کا بھی ہے۔

رعیت کی طرف سے حاکم کا احتساب زیادہ مشکل معاملہ ہے۔ ہمارے خیال میں حاکم کو صرف بتانے اور نصیحت کرنے کی حد تک تو کوئی مشکل نہیں۔ لیکن تیسرا مرتبہ محلِ نظر ہے' کیونکہ بادشاہ کے رعب اور حشمت کو ختم کرنا ممنوع ہے۔ اگر کوئی بادشاہ کی شراب گرا دے تو لوگوں کی نظر میں اس کا رعب کم ہو گا۔ جب دو ممنوع جمع ہو جائیں' تو دیکھنا چاہیے کہ منکر کتنا بڑا ہے' اور بادشاہ کے خلاف قوت کے استعمال سے کیا نقصان ہو گا۔ یہ ایسا معاملہ ہے جس کو متعین کرنا ممکن نہیں۔ جہاں تک شاگرد اور استاد کا معاملہ ہے' تو جو علم سکھائے اور خود عمل نہ کرے' شاگرد کو اسی علم کے مطابق اس سے معاملہ کرنے کی اجازت ہونا چاہیے۔ حسن بصریؒ سے اس معاملہ میں کسی نے سوال کیا کہ باپ کا احتساب بیٹا کیسے کرے۔ انھوں

نے جواب دیا کہ جب تک باپ کو غصہ نہ آئے تب تک نصیحت کرے اور جب وہ غصہ ہو جائے تو خاموش ہو رہے۔

احتساب کی طاقت اور قدرت

پانچویں شرط یہ ہے کہ محتسب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہو۔ عاجز آدمی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ برائی کو دیکھ کر دل میں کراہیت محسوس کرے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کفار سے جہاد کرو اپنے ہاتھوں سے' اور اگر یہ نہ ہو سکے اور صرف ان کے سامنے ناک بھوں چڑھا سکو تو یہی کرو۔ محتسب کو اگر ایذا پہنچنے کا خوف ہو' تو احتساب کا فریضہ واجب نہیں رہتا۔ اسی طرح اگر یہ علم ہو کہ منع کرنا مفید نہ ہو گا تو اس صورت میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب ہونے میں کچھ باتیں قابلِ غور ہوں گی۔' اس طرح خود کو ایذا کا خوف اور منع کرنے کا دوسرے کے لیے پر اثر نہ ہونے کا علم' یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا اعتبار کیا جائے تو چار حالتیں ہو سکتی ہیں۔

ایک یہ کہ دونوں باتیں جمع ہوں' یعنی احتساب کا اثر نہ ہو گا اور خود کو ایذا بھی پہنچے گی۔ اس صورت میں احتساب واجب نہیں۔ بلکہ بعض مواقع میں منع بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ لازم ہے کہ منکرات کی جگہ پر نہ جائے' تاکہ منکر کو دیکھنے کی نوبت نہ آئے۔ اس پر شہر کو چھوڑنا واجب نہیں' الاّ یہ کہ لوگ زبردستی منکر میں شریک کریں' یا حکمرانوں کے ظلم میں ان کی موافقت کرائیں۔ اسی صورت میں' قدرت ہو تو ہجرت واجب ہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ منع کرنے سے فائدہ ہونے کا علم ہو اور ایذا پہنچنے کا خوف بھی نہ ہو' تو احتساب واجب ہے۔ قدرت کی جو شرط ہے وہ اسی کا نام ہے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ فائدہ نہ ہونے کا علم ہو لیکن تکلیف پہنچنے کا ڈر نہ ہو۔ اس صورت میں احتساب مستحب ہے۔

چوتھی حالت یہ ہے کہ جانے کہ میرے فعل سے منکر ختم ہو جائے گا لیکن تکلیف پہنچنے کا ڈر بھی ہو۔ اس صورت میں بھی احتساب مستحب ہے۔ مثلاً کسی فاسق کے آلات لہو توڑ ڈالے' اگرچہ معلوم ہو کہ وہ جوتے لگائے گا۔ ابو سلیمان دارانیؒ سے مروی ہے کہ میں نے ایک منکر سے روکنے کا ارادہ کیا۔ مجھے ڈر تھا کہ جان سے مارا جاؤں گا' لیکن قتل کے خوف سے میں نہیں رکا۔ مجھے اس اندیشہ نے روکا کہ دل میں یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ لوگ تعریف کریں' اس طرح جان بھی جائے گی اور فعل خالص اللہ کے لیے بھی نہ ہو گا۔

قوت سے منکر کے ازالہ کی شرائط

آیت قرآنی ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکہ کے پیشِ نظر' بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قتل ہو جانے کے خوف کی موجودگی میں احتساب کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے' جس سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ کافروں سے لڑنے کا حکم ہے جبکہ قتل کیے جانے کا خوف موجود ہوتا ہے۔ اسی طرح احتساب کا حکم بھی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس آیت سے دوسری معانی مراد لیے ہیں۔

حالتِ جنگ میں اس آیت کا اطلاق اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ ایک عاجز آدمی جو دشمن کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے ان کی صف میں جا کر لڑنا شروع کر دے۔ لیکن تنہا حملہ کرنا بھی اس صورت میں درست ہو سکتا ہے جب یہ جانتا ہو کہ میں مارا تو جاؤں گا مگر دشمن کو نقصان پہنچا کے ہی مروں گا۔ یا یہ یقین ہو کہ میری بہادری کو دیکھ کر مسلمانوں کا رعب قائم ہو گا۔

اسی طرح احتساب کا معاملہ بھی ہے۔ محتسب کے لیے جائز بلکہ مستحب ہے کہ قتل کا خوف ہوتے ہوئے بھی برائی کو روکنے کی کوشش کرے' بشرطیکہ اس کی کوشش سے برائی ختم ہو سکے' یا فاسق کا رعب ختم ہو' یا دینداروں کو تقویت حاصل ہو۔ لیکن اگر صورتِ حال یہ ہو کہ کسی کو شراب پیتے دیکھے' اور اس کے ہاتھ میں تلوار بھی ہو' اور یہ جانے کہ اگر میں اس کو منع کروں گا تو شراب پی کر میری گردن اڑا دے گا' تو ہمارے خیال میں ایسا احتساب اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ مطلوب تو یہ ہے کہ احتساب سے دین کو فائدہ پہنچے اور اس فائدہ کی خاطر آدمی اپنی جان فدیہ کر دے۔ دین میں اس کی کوئی اصل معلوم نہیں ہوتی کہ دین کے کسی فائدہ کے بغیر آدمی اپنے بدن کو ہلاک کر دے' بلکہ یہ ممنوع ہونا چاہیے۔ نہی عن المنکر اسی صورت میں مستحب ہے کہ منکر کو مٹانے کی قوت ہو۔

اسی لیے اگر ایک منکر کو روکنے سے دوسرا منکر پیدا ہو' خصوصاً اگر زیادہ بڑا منکر پیدا ہو' تو احتساب ممنوع ہے۔ مثلاً اگر یہ جانے کہ میرے ساتھ، میرے عزیز' دوست' رشتہ داروں وغیرہ کو بھی ایذا پہنچائی جائے گی' یا یہ کہ کسی کے ہاتھ سے کوئی نجس شربت گرا دوں گا تو وہ شراب پینے لگے گا۔ مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی شربت گرا دینا چاہیے' پھر اگر وہ شراب پیے تو گناہ گار ہو گا' محتسب پر اس کی ذمہ داری نہیں ہو گی۔ بہر حال یہ فقہی مسائل ہیں' اور ان میں گمانِ غالب ہی سے حکم لگایا جاتا ہے۔

اس معاملہ میں زیادہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ دونوں منکروں میں بڑا کون سا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر رہا ہو' اور دیکھنے والا سمجھے کہ میں اس کو منع کروں گا تو قتل نہیں کرے گا بلکہ مال لے کر بھاگ جائے گا' تو ایسی صورت میں منع کرنا چاہیے۔ کیونکہ قتل مال چھیننے سے بڑا منکر ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے مواقع پر اجتہاد کی ضرورت ہو گی کہ کون سا منکر بڑا ہے کون سا چھوٹا' احتساب کرنا چاہیے یا نہیں' مگر ہر شخص اجتہاد کا اہل نہیں ہوتا؟ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ایک عامی بجز کھلے کھلے مسائل کے --- مثلاً شراب نوشی' زنا' ترکِ نماز وغیرہ --- احتساب نہ کرے' بس دل میں برا سمجھے۔ بعض افعال معصیت ہوتے ہیں' مگر ان میں اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ عامی اگر اجتہاد کرے' اور اس کا اہل نہ ہو' تو ہو سکتا ہے کہ اصلاح کی بہ نسبت بگاڑ زیادہ کر دے' یا طرح طرح کے خلل اور فساد رونما ہوں۔ اسی لیے بعض لوگ حکمرانوں کی اجازت کی شرط لگاتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ علم کی جو بات کی گئی ہے کہ احتساب کے مفید ہونے اور ایذا پہنچنے کا علم ہو' تو یہ کیسا علم ہونا چاہیے؟ اگر ظن ہو تو کیا کیا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ظنِ غالب علم کی طرح سمجھا جائے گا۔ جہاں ظن ایک دوسرے کے خلاف ہوں' وہاں علم کو ظن پر ترجیح دی جائے گی۔ بعض جگہوں پر علم کا حکم جدا ہوتا ہے' ظن کا جدا۔

اگر محتسب کو قطعی علم ہو کہ میرے منع کرنے سے فائدہ نہ ہو گا تو نہی عن المنکر کا فریضہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر ظنِ غالب غیر مفید ہونے کا ہو مگر احتمال مفید ہونے کا بھی ہو' اور ایذا کی توقع بھی نہ ہو' تو اس صورت میں اختلاف ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں اس صورت میں یہ فریضہ واجب ہو گا' اس لیے کہ اس میں ضرر تو کچھ نہیں اور فائدہ متوقع ہے۔ واضح نصوص' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ہر حالت میں واجب ہونے کا تقاضا کرتی ہیں۔ کیونکہ مقصود امر نہیں ہوتا بلکہ مامور ہوتا ہے' اس لیے اگر فائدہ سے قطعاً مایوسی ہو تو وجوب ساقط ہو سکتا ہے۔

ایک اور صورت یہ ہے کہ ایذا متوقع ہو' لیکن نہ یقینی علم ہو نہ ظنِ غالب' بلکہ اس میں شک ہو' تو اس احتمال کی وجہ سے کیا حکم ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ظنِ غالب ایذا کا ہو تو احتساب واجب نہیں' اور اگر عدم ایذا کا ہو تو واجب ہے۔ اور احتمالِ ضعیف سے وجوب ساقط نہیں ہوتا' اس لیے کہ احتمال تو ہر موقع پر ہو سکتا ہے۔

ایذا کی توقع کی جو شرط رکھی گئی اس میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بزدلی اور جرات کے لحاظ سے ہر شخص کے ساتھ اس کا معاملہ مختلف ہو گا' تو اعتبار کس کا ہو؟ نامرد بزدل تو دور کے خطرہ سے بھی ڈرا کرتا ہے' جب کہ مرد بہادر کسی خطرہ کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اعتماد طبیعت کے اعتدال اور عقلِ سلیم پر کرنا چاہیے۔ نامردی اور بزدلی ایک مرض ہے' اور بے عقلی کی دلیری بھی اعتدال سے خارج ہے۔ دونوں کم عقلی کی وجہ سے بھی ہوتی ہیں' مزاج میں افراط و تفریط کی وجہ سے بھی۔ کہیں شر کے مواقع معلوم نہیں ہوتے اور اس جہالت کی وجہ سے جری ہو جاتا ہے' کہیں دفعِ شر کے مواقع نہیں جانتا اور اس جہالت کی وجہ سے نامردی دکھاتا ہے۔

ضرر کی حد

اب اگر کہا جائے کہ ضررِ متوقع کی حد کیا ہے؟ کبھی کسی شخص کو ایک لفظ ہی سے ایذا پہنچ جاتی ہے' کبھی مار پیٹ سے' کبھی غیبت و چغلی سے' تو ایک حد بتانا چاہیے جس سے احتساب کا وجوب ساقط ہو جائے۔

یہ ایک دقیق بحث ہے۔ پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ انسان کو' اپنے اور اپنے عزیز و اقارب کے لیے چار چیزیں مطلوب ہوتی ہیں: یعنی علم' صحت' ثروت اور جاہ۔ جو ہو اس کا چھن جانا' اور جو نہ ہو اس کے ملنے کی توقع ختم ہو جانا' اس کو ناگوار گزرتا ہے۔ اس طرح ضرر کا مطلب یہی ہوا کہ ان چاروں میں سے کوئی چیز چھن جائے یا جس کی خواہش اس کے دل میں ہو اس کے ملنے کی کوئی امید نہ رہے۔

ان چاروں مطالب میں متوقع ضرر کی مختلف حالتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً استاد یا طبیب یا صاحبِ ثروت شخص کا احتساب اس خوف سے نہ کرے کہ ضرورت پڑنے پر وہ اپنے علم یا طب یا مال سے فائدہ نہ پہنچائیں گے تو اس صورت میں فریضہ ساقط نہیں ہوتا۔ کیونکہ آئندہ مزید حاصل کرنا ایسی ضرورت نہیں کہ اس کے لیے فریضہ ساقط ہو' الاّ یہ کہ کوئی حاجت ہو' اور اس کے پورا نہ ہونے سے' بہ نسبت منکر پر خاموش رہنے کے زیادہ ضرر ہو۔ مثلاً اگر مرض بالفعل موجود ہے اور ڈر ہے کہ علاج نہ ہونے سے مرض بڑھ جائے گا اور نوبت ہلاکت تک پہنچ سکتی ہے۔ تو اس صورت میں طبیب کا احتساب نہ کرنے کی اجازت ہو گی۔ یا' اگر محتسب کمانے اور سوال کرنے سے عاجز ہے' اور اس کی گزر بسر کسی شخص کی مالی امداد پر ہے' اور اگر وہ اس کا احتساب کرے گا تو وہ اس کی مدد بند کر دے گا' اور پھر محتسب کو مال

حرام کھانا پڑے گا یا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ یا' اگر محتسب کو کوئی شریر ایذا پہنچاتا ہو اور اس کے شر کو دفع کرنے کا کوئی راستہ حکمران تک رسائی کے سوا نہ ہو' اور اگر وہ حکمران کا احتساب کرے گا تو رسائی نہ ہو گی اور شریر کی ایذا سے نجات نہ ہو گی۔ مگر ان معاملات میں فیصلہ کا انحصار محتسب پر ہے۔ اس کو اپنے دل سے فتویٰ لینا چاہیے' اور ایک چیز کو دوسری کے ساتھ تول کر' دینی اعتبار سے ترجیح دینا چاہیے۔ اگر دین کے اعتبار سے خاموش رہے گا تو اس کا نام مدارات ہے' اگر خواہش نفس کی وجہ سے خاموش رہے گا تو اس کا نام مداہنت ہے۔ بس محتسب کو اپنے دل کی نگرانی کرنا چاہیے' اور جاننا چاہیے کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ دین کی وجہ سے ہے یا خواہش نفس کی وجہ سے۔

دوسری قسم ضرر کی کسی حاصل چیز کے فوت ہو جانے کی ہے۔ علم تو فوت نہیں ہوتا' لیکن باقی تین چیزوں میں سے کوئی فوت ہو تو یہ سکوت کے لیے عذر معقول ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر برائی سے روکنے پر مار پٹائی کا ڈر ہو تو پھر یہ فعل واجب نہیں' لیکن مستحب ہو گا۔ اگر مکان لٹنے کا اور سازوسامان چھن جانے کا ڈر ہو تو بھی وجوب ساقط ہو جاتا ہے' لیکن استحباب باقی رہے گا' کیا مضایقہ ہے کہ دین پر دنیا کو فدا کر دے۔

مار اور لوٹ کے بھی کئی درجے ہیں۔ ایک بہت چھوٹا سا درجہ ہے جس کی پروا نہیں کرنا چاہیے' یعنی ایک پیسہ کا نقصان یا آہستہ سے تھپڑ لگنا۔ ایک بڑا درجہ ہے جس سے وجوب ختم ہو جاتا ہے۔ ایک بیچ کا درجہ ہے جو اشتباہ والا ہے۔ ایسی صورت میں اجتہاد کرنا چاہیے۔ اسی طرح عزت کا معاملہ ہے۔ بے عزتی کا ایک درجہ بڑا ہے' مثلاً ننگے سر ننگے پاؤں شہر میں پھرانے کا ڈر ہو تو اس وقت احتساب واجب نہیں۔ ایک درجہ کمتر ہے کہ شان و شوکت سے رہنے کا عادی ہو اور احتساب کرنے کی صورت میں جانتا ہو کہ خراب حال میں پھرنا پڑے گا جس کی عادت نہیں' تو اس صورت میں احتساب کرنا لازمی ہے' کیوں کہ یہ زیادتی جاہ کی طلب ہے عزت بچانے کا معاملہ نہیں۔

اسی طرح اگر یہ ڈر ہے کہ لوگ برا کہیں گے یا غیبت کریں گے تو بھی وجوب ساقط نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اگر ملامت کے خوف سے وجوب نہ رہے تو پھر کوئی بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے۔ البتہ اگر کسی کی غیبت ہو رہی ہے' اور منع کرنے پر ڈر ہے کہ باز نہ آئے گا بلکہ غیبت مزید کرنے لگے گا' تو اس صورت میں احتساب کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ اس طرح معصیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اگر یہ ڈر ہو کہ احتساب کرنے کی صورت میں اپنا تو کوئی نقصان نہیں' لیکن اعزا و اقارب کو نقصان یا تکلیف پہنچائی جائے گی تو احتساب ترک کر دینا چاہیے۔ اپنی ایذا سخت ہوتی ہے' مگر دین کے اعتبار سے دوسروں کی ایذا زیادہ ہے۔ آدمی اپنے حقوق چھوڑ سکتا ہے' دوسروں کے حقوق ضائع کرنے کا سبب بننا جائز نہیں۔ اگر دوسروں کے حقوق بطریق معصیت ضائع ہوں گے' مثلاً ان کو مارا اور لوٹا جائے گا' تو بھی محاسبہ جائز نہیں' اس لیے کہ ایک بڑا منکر پیدا ہوتا ہے۔ اگر معصیت نہ بھی ہو' تو درست نہیں۔ مسلمان ایذا پائے گا' یہ بغیر اس کی اجازت کے جائز نہیں۔

غرض کہ اصول یہ ہے کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے کوئی ایسی معصیت ہوتی ہے جس کا ضرر منکر سے زیادہ ہو تو محاسبہ نہ کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر حکمرانوں کا محاسبہ کرنے سے اپنا کچھ نہ جائے' مگر وہ اقربا' دوست اور ہمسایوں کو ایذا پہنچائیں' تو محاسبہ ترک کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ مسلمان کو ستانا زیادہ بڑا گناہ ہے' منکر پر سکوت کی بہ نسبت۔

اگر پوچھو کہ ایک آدمی کوئی بڑا گناہ کرتا ہے اور بغیر لڑے باز نہیں آتا' اور لڑنے سے وہ مارا جا سکتا ہے' تو اس سے لڑنا چاہیے' منع کرنا چاہیے۔ مثلاً کوئی شخص اپنا کوئی عضو کاٹ رہا ہو' اس سے لڑ کر اسے زبردستی روکا جا سکتا ہے' لیکن ڈر ہے کہ قتال میں وہ مارا جائے۔ تو ہماری رائے میں اس سے لڑ کر اسے روکنا چاہیے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی مسلمان کے مال پر حملہ کرے' وہ اس کو اس طرح ہٹائے کہ اس کی جان جاتی رہے' تو درست ہے۔ لیکن پہلے سے اس گمان کی بنا پر کسی کو قتل نہیں کیا جا سکتا کہ اگر تنہا چھوڑا گیا تو یہ اپنا عضو کاٹ لے گا یا کوئی میرا مال لوٹنے آ رہا ہے۔

سمجھنا چاہیے کہ معصیت کی تین حالتیں ہیں:

۱۔ اگر کوئی گناہ کر چکا ہے تو اس کو سزا دینا حکومت کا کام ہے۔

۲۔ اگر فی الوقت گناہ کر رہا ہے' مثلاً شراب ہاتھ میں لیے ہوئے ہے' تو اس کو روکنا واجب ہے خواہ کسی طرح سے ہو۔ بشرطیکہ اس سے زیادہ بڑا منکر پیدا نہ ہو۔

۳۔ اگر معصیت کی توقع ہے' مثلاً محفل آراستہ کی جا رہی ہے لیکن شراب ابھی لائی نہیں گئی' تو درشتی اور ضرب جائز نہیں' البتہ سمجھایا جائے۔ ہاں' اگر عادت معلوم ہے اور انتظار میں ہیں کہ شراب آنے والی ہے تو سختی اور مار کے ذریعہ بھی روکا جائے۔

(تلخیص و تدوین: احیاء العلوم' جلد ۲) ——————

آپ کے مطالعے کے لیے

چند منتخب کتابیں

اسلام کا فوجداری قانون	(مکمل تین حصے)	تالیف: عبدالقادر عودہ شہید/ ترجمہ: ساجدالرحمٰن صدیقی	روپے ۲۶۰/-
اسلام کا نظامِ حکومت	(الاحکام السلطانیہ)	امام ابوالحسن الماوردی/ ترجمہ: ساجدالرحمٰن صدیقی	۹۰/-
تاریخِ افکار و علوم اسلامی	(مکمل دو حصے)	علامہ عبدالطباخ / ترجمہ: افتخار احمد بلخی	۱۰۸/-
تحریکِ آزادیٔ ہند اور مسلمان	(مکمل دو حصے)	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	۱۲۴/-
مولانا مودودی کی تقاریر	(حصہ اول - دوم)	مرتبہ: ثروت صولت	۸۰/-
اِسلام کا نظریۂ ملکیت	(مکمل دو حصے)	ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی	۸۱/-
زکوٰۃ، فلسفہ اور قانون		فرشتہ۔ ج۔ د۔ سائس	۷۵/-
ادبیاتِ مودودیؒ		تالیف پروفیسر خورشید احمد	۳۲/-
ارمغانِ اقبالؒ	(علامہ اقبالؒ پر نادر مقالات و مضامین)	ڈاکٹر رحیم بخش شاہین	۶۶/-
اوراقِ گم گشتہ		〃 〃 〃	۳۰/-
ترکی قدیم و جدید	(رُوداد سفر)	خلیل احمد حامدی	۲۵/-
ترکستان میں مُسلم مزاحمت		آباد شاہ پوری	۲۱/-
مشرقی ترکستان		ثروت صولت	۲۲/۵۰
ترک اور ترکی		〃 〃	۶۰/-
عورت اور دورِ جدید		میر احمد خلیلی	۳۴/-

اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور (پاکستان)

فیکس: (۰۴۲) - ۷۶۵۸۶۷۴ فون: ۳۲۵۲۴۳ - ۷۶۶۳۵۰۴

اسلامی تحریکیں: ماضی اور حال

معیشت و سیاست کے محاذ پر

خلیل احمد حامدی

اسلامی تحریکوں کے ضمنی اثرات

قافلہ گزر رہا ہو تو ارد گرد کی فضا بھی متاثر ہو جاتی ہے۔ جرسِ کارواں کی آواز دور دور تک پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح شرکائے قافلہ تو جانبِ منزل رواں دواں رہتے ہی ہیں، مگر جو شریکِ سفر نہ بھی ہوں وہ بھی قافلے کی جذبہ انگیز حرکت، پرسوز حدی اور پرعزم چہروں سے اپنے اندر ایک ولولہ و جوش محسوس کرتے ہیں۔ یوں فضائے قافلہ بھی قافلہ ہی کا ایک حصہ بنتی جاتی ہے۔ تحریکاتِ اسلامی کا قافلہ نصف صدی سے زائد عرصے سے پابہ سفر ہے۔ اس نے مسلمانوں کے اندر نئے سرے سے اسلام کی جوت جگائی ہے۔ اسلام کا اصل تصور اور اصل اصطلاحات اور ادارے جو دورِ استعمار میں مسلمانوں کی ڈکشنریوں سے محو ہو چکے تھے، زندہ کیے ہیں۔

اسلامی خلافت، اقامتِ دین، جہاد، اسلامی تہذیب و تمدن، قوانینِ شریعت، اسلامی اقتصادیات، اسلامی تعلیم، اجتہاد، وحدتِ امت، یہ وہ اصطلاحات ہیں جو مسلمانوں کے ذہن سے نکل چکی تھیں اور ان کے بجائے مغرب کی رائج کردہ اصطلاحات اور ادارے ذہنوں میں راسخ ہو چکے تھے۔ اسلامی تحریکوں نے ان مدفون اصطلاحات کو مسلمانوں کے لٹریچر اور مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعیہ میں ازسرِنو نقش کیا۔ چنانچہ وہی لوگ جو اسلامی نظامِ زندگی سے آشنا نہ تھے، اسلام کو قصۂ ماضی سمجھتے تھے، مذہب اور سیاست کی تفریق پر ایمان لا چکے تھے، بلکہ اسلامی اصطلاحات کا کبھی تذکرہ ان کے سامنے ہو جاتا تو وہ شرما جاتے تھے اور مغربی تہذیب اور مغرب کے نظریات کو حتمی اور حرفِ آخر قرار دے کر ان پر کامل ایمان لا چکے تھے، اسلامی تحریکوں کی محنت کے فیض سے اب اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات مانتے ہیں۔ عوام کے سامنے جاتے ہیں تو اسلامی شریعت کے نفاذ کی اہمیت پر زور دیتے

ہیں۔ یہ ذہنی انقلاب معمولی بات نہیں ہے۔ مغربی تہذیب کے طوفانوں کے اندر مرعوب ذہنوں کو پُراعتماد بنانا اور ''مسترد اقدار'' کو مقبول و محبوب بنانا فتحِ عظیم ہے۔ اس کا سرا ان ہستیوں کے سر جاتا ہے جنھوں نے ان طوفانوں سے لڑ کر اور جان و مال کے نذرانے دے کر اسلام کی صداقتِ ابدیہ کو ثابت کیا ہے اور یہ وہ کام ہے جو قافلۂ تحریک کی فضا کی بدولت سرانجام پایا ہے۔

نظامِ معیشت پر اسلامی رنگ کی چمک

آپ مکتبوں اور نمائش گاہوں سے گزر کر دیکھیں۔ آپ کو ستر فیصد وہ لٹریچر ملے گا جو اسلام کے مختلف پہلوؤں سے بحث کرتا ہے' اسلامی تاریخ کے مختلف گوشے کھنگالتا ہے اور اسلامی قوانین اور اسلامی معیشت و معاشرت کی وضاحت کرتا ہے۔ زندگی کا سب سے اہم پہلو معیشت ہے۔ نصف صدی پیشتر کوئی شخص یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھا کہ سود کے بغیر بھی بنکنگ ہو سکتی ہے۔ خود علمائے اسلام اس باب میں بے حوصلہ ہو چکے تھے' بلکہ بعض علما تو سود کو قبول کر لینے کی رائے دینے لگتے تھے۔ سب سے پہلی کتاب جس نے دورِ حاضر کے ماہرینِ اقتصادیات کو چیلنج کیا اور نظریۂ سود کے مضرات ثابت کیے اور اسلامی نظامِ معیشت کو علمی و عقلی حیثیت سے دنیا کے سامنے مفید و ضروری ثابت کیا' وہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تالیف ''سُود'' ہے۔ کئی سال تک مسلمان اہلِ علم و ماہرینِ اقتصادیات اس کتاب کو حیرت کی نظر سے دیکھتے رہے۔ اور پھر اس کتاب نے جو دروازہ وا کیا اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے عبقری ذہن اور نابغہ طبیعتیں حرکت میں آگئیں اور اس موضوع پر لٹریچر تیار ہو گیا کہ اب اس کا شمار کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ وہ قلم جو آدم سمتھ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے اب مودودیؒ کی ''سُود'' کے حوالے پیش کرتے ہیں۔ جو مادہ پرستانہ اور بے اخلاق معیشت کی ثناخوانی میں مگن تھے اب خدا اور رسولؐ کے پیش کردہ نظامِ اقتصاد کے فضائل و محاسن بیان کر رہے ہیں۔ یہی حال معاشرت' تعلیم اور دیگر شعبۂ حیات کا ہے۔

معیشت کے باب میں فکر و تصور سے بڑھ کر عملی اقدامات تک بات پہنچ چکی ہے۔ اسلامی اصولوں کے مطابق اسلامی بنک قائم ہو چکے ہیں اور قائم ہو رہے ہیں۔ اب تک ایسے بنکوں کی تعداد ۴۰ سے اوپر ہے۔ متحدہ عرب امارات' قطر' بحرین' کویت' اردن' مصر' سوڈان' ترکی' ملائشیا' بنگلہ دیش' پاکستان' ایران نیز ڈنمارک' بلجیم' سوئٹزر لینڈ اور وسط ایشیا کی چند جمہوریاؤں میں اسلامی بنک قائم ہو چکے ہیں اور بعض ممالک میں ان کی کئی کئی شاخیں وجود میں آ گئی ہیں۔ ان

ممالک میں ہم نے پاکستان کا بھی ذکر کیا ہے' لیکن پاکستان کا فیصل اسلامی بنک ابھی "نابالغ" ہے۔ اس پر توجہ کی ضرورت ہے۔ ان بنکوں کے اندر مضاربت' مشارکت' اور مرابحت کی بنیادوں پر کاروبار ہو رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں ابھی پوری طرح سودی ذہنیت کا خاتمہ نہ ہو سکا ہو' لیکن سودی معیشت کے متعفن ماحول میں اسلامی بنیادوں کو استوار کرنا جہادِ اکبر سے کم نہیں ہے۔ بے سود معیشت کا رواج دراصل اس سودی نظام کو چیلنج ہے جسے آج یہودی ساہوکار چلا رہے ہیں اور جسے دنیا بھر کے سرمایہ داروں کی پشت پناہی حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیویارک کی وال سٹریٹ اسلامی بنکوں کے قیام سے پیچ پا ہے۔ یہ لوگ اپنے مخصوص مالی و سیاسی ہتھکنڈوں سے اسلامی بنکوں کو ناکام اور مسلمان سرمایہ کاروں کو بددل اور مایوس کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ انھیں مسلمانوں کے اندر ایسے "سردار آصف" اور "سیّد طنطاوی" مل جاتے ہیں جو سود کو جائز قرار دے کر ملتِ اسلامی کو اسلامی نظامِ معیشت سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر ان مرغانِ بادنما کی مذموم خواہشوں کے علی الرغم اسلامی بنکنگ میں روز بروز ترقی ہو رہی ہے۔ یہ کام براہِ راست اسلامی تحریکیں نہیں کر رہی ہیں' بلکہ یہ کاروانِ تحریک کی صدائے جرس کی بازگشت ہے۔

اسلامی تحریکیں سیاسی میدان میں

فکری اور تہذیبی جنگ میں اسلامی تحریکوں کی پیش رفت کے ساتھ سیاسی میدان میں بھی اس کی معرکہ آرائی جاری ہے اور شاید یہی وہ میدان ہے جس میں اسلامی تحریکوں کا اثر آنا مغربی طاقتوں کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر رہا ہے۔ مغربی ماہرین مسلسل یہ تجزیے پیش کر رہے ہیں کہ اسلام ایک جاندار تہذیب کی حیثیت سے انسانیت کا مستقبل بن سکتا ہے اور خود مغربی تہذیب کا تیز رو زوال اسلامی تہذیب کو متبادل بنائے جا رہا ہے۔ بعض مفکرین نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی جس تیزی سے ترقی پذیر ہے اور وہ جس طرح کے خطرناک اور انسانیت کے لیے تباہ کن آلات تیار کر رہی ہے' اگر اسے باضمیر اور بااخلاق انسان کی نگہداشت میں نہ دیا گیا تو کوئی بعید نہیں کہ کسی بھی نفسانی جذبے سے مغلوب ہو کر موجودہ مادہ پرست انسان اس دنیا کو خاکستر کر دینے کا اقدام کر ڈالے۔ اسلامی عقیدہ ہی یہ تاثیر رکھتا ہے کہ وہ انسان کو باضمیر اور بااخلاق بنا دے' کیونکہ اسلامی عقیدہ انسان کے اندر خدا کا خوف اور آخرت کا محاسبہ اس طرح جاگزیں کر دیتا ہے کہ انسان پھر کسی جرم کا ارتکاب کرتے وقت سو بار سوچتا ہے۔

اسلامی تہذیب کی علمبردار اسلامی تحریکیں سیاسی جدوجہد کے ذریعے اقتدار کی تبدیلی چاہتی

ہیں۔ مسلم عوام بھی ایسی تبدیلی چاہتے ہیں جس میں ان کو عدل و انصاف ملے اور استحصال و انحطاط سے نجات پائیں۔ اگر اسلامی تحریکیں زمامِ قیادت ہاتھ میں لے لیتی ہیں تو اسلام کا زرّیں عہد واپس آ سکتا ہے اور دنیا علم و فن کے عروج کے ساتھ ساتھ اسلام کی برکات سے بڑی تیزی سے بہرہ مند ہو سکتی ہے۔ سقوطِ کمیونزم کے بعد اب انسانیت ایسے ہی عہد کی تلاش میں ہے۔ اس چیز کا تصور مغربی طاقتوں کے ذہنوں پر کابوس بن کر سوار ہو چکا ہے اور وہ جھنجلاہٹ میں ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے تو رواں صدی کے آغاز میں کہا تھا:

پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

اور اب اسلامی تحریکوں کی جدوجہد سے "چہرۂ افکار" سے پردہ اٹھ چکا ہے اور مغرب انھیں دیکھ کر بدحواسی میں مبتلا ہو چکا ہے۔

تحریکوں کی فکری و سیاسی پیش رفت گو ابھی قابلِ لحاظ نہیں ہے، لیکن حالات بتا رہے ہیں کہ ایک وسیع اور ہمہ گیر تبدیلی عالمِ اسلام کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ انسانی نظریات ایک ایک کر کے شکست و ریخت کی نذر ہو رہے ہیں۔ مسلمان حکمران اور ان کے حواری اپنی افادیت کھو چکے ہیں، بلکہ عوام کی نفرت کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ان کی شان و شوکت کے اسباب داخلی نہیں خارجی ہیں۔ نہ فیصلے ان کے ہاتھ میں ہیں اور نہ وہ اپنی مرضی کے مالک رہے ہیں۔ گویا ایک آتش فشاں ہے، جو کسی وقت بھی دھماکہ خیز ہو سکتا ہے۔ ریاستی تشدد اور دباؤ کے ذریعے عوامی امنگوں کو بوتل کے اندر بند رکھنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

الجزائر میں

اسلامی تحریکوں کا سیاسی قد گو پرکشش نہیں، مگر اطمینان بخش ضرور ہے۔ الجزائر کو لیجیے۔ وہاں دسمبر ۱۹۹۲ میں عین جمہوری طریقے سے اور الجزائری عوام کی بھرپور حمایت کے ساتھ اسلامک سالویشن فرنٹ پارلیمانی انتخاب کے پہلے مرحلے میں ستر فیصد سے زاید نشستیں حاصل کر لیتا ہے اور اس بات کا پختہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ ۲۰ روز کے بعد انتخاب کا دوسرا راؤنڈ بہت بڑے تناسب کے ساتھ جیتے گا۔ اسلامک سالویشن فرنٹ کا سربراہ ڈاکٹر عباس مدنی اور اس کے تمام ساتھی کئی ماہ سے جیل میں ہیں۔ مگر یہ نتیجہ سنتے ہی مغرب میں تہلکہ مچ جاتا ہے۔ طرفہ یہ کہ عرب حکمران

مغرب سے بھی زیادہ سراسیمہ ہو جاتے ہیں اور ان کی پیٹھ بستر خواب پر آسودہ نہیں ہو پاتی۔ چنانچہ بیرونی طاقتوں (خاص طور پر امریکہ اور فرانس) کی شہ پر الجزائری فوج دو ہفتے کے اندر اندر اقتدار ہاتھ میں لے لیتی ہے۔ انتخاب غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دیا جاتا ہے اور مراکش میں پناہ گزین ایک سابق سوشلسٹ لیڈر بوضیاف کو لا کر کرسی اقتدار پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ اس فوری کارروائی پر "جمہوریت پسند" مغرب بھی خوش ہوتا ہے اور "اسلام پسند" حکمران بھی خوشی کے تار بھیجتے ہیں' اور کروڑوں ڈالر کی امداد بھی فوجی حکومت کو پیش کرتے ہیں۔ اس روز سے آج تک اسلامک سالویشن فرنٹ کے حامیوں (جن کی پشت پر پوری الجزائری قوم ہے) اور فوجی قیادت کے درمیان کشمکش برپا ہے۔ خانہ جنگی تک نوبت آ چکی ہے۔ فوجی حکمران روز بروز بے اثر ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ چکے ہیں' اور وہ کسی طرح اب اسلامک سالویشن فرنٹ کو مذاکرات اور مصالحت کی میز پر لانا چاہتے ہیں۔ مگر فرنٹ کی جگردار قیادت' جو جیلوں میں بند ہے یا جلاوطن ہے' ظلم و ستم اور تشدد و تعذیب کے باوجود کسی باطل کے آگے جھکنے کے لیے تیار نہیں ہے' اور یہ واضح ہو چکا ہے کہ صنمِ باطل گر کے رہے گا۔

مصر میں

۱۹۵۴ سے لے کر جس تحریک پر ہر وہ ستم توڑا گیا ہو جس سے جنگل کے درندے بھی شرما جائیں' پھانسیاں' جیلیں' صحرا نوردی' تازیانے' ٹکٹکیاں' بے حرمتی اور بھوک اور پیاس کا عذاب اسے دیا گیا ہو' ۱۹۷۱ کے بعد وہ اس عذاب سے تو نکل آئی ہو مگر قانوناً کام کرنے کی اجازت نہ دی جائے' خوف و ہراس کا بھوت اس کے حامیوں پر مسلط رکھا جائے' اور پھر بھی وہ تحریک زندہ و تابندہ ہو۔ کیا یہ دورِ حاضر میں ایمانی طاقت کا حیرت انگیز کرشمہ نہیں ہے۔ مصر میں اخوان المسلمون کے ساتھ یہی کچھ ہوا اور یہی کچھ ہو رہا ہے' اور یہ "ایمانی طاقت" کا کرشمہ انھی بہادروں اور خدا پرستوں سے منسوب ہے۔ پارلیمانی انتخاب میں اخوان المسلمون اپنے نام سے حصہ لینے کے مجاز نہیں ہیں۔ چنانچہ انھوں نے دو دوسری پارٹیوں' حزب' الاحرار اور حزب العمل الاشتراکی کے ساتھ مل کر محاذ' بنایا اور محاذ کے ٹکٹ پر انتخاب میں ۱۹۸۹ میں حصہ لیا۔ اور ان کے امیدوار کامیاب ہو گئے۔ ان کامیاب ہونے والوں میں اخوان المسلمون کے بانی امام حسن البنا شہید کے صاحبزادے سیف الاسلام ایڈووکیٹ' اور اخوان المسلمون کے دوسرے مرشدِ عام (سربراہ) حسن الھضیبی کے صاحبزادے مامون الھضیبی ایڈووکیٹ بھی شامل تھے' اور یہ دونوں حضرات

قاهرہ کے انتخابی حلقوں سے کامیاب ہوئے۔ مصری پارلیمنٹ میں ان کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن آواز کے پیچھے کردار کی طاقت ایسی زبردست ہے کہ یہ نحیف و نزار آواز بھی دلوں میں گونجتی جا رہی ہے۔ مصر کی بڑی بڑی پیشہ ورانہ تنظیموں پر بذریعہ انتخاب اخوان کو برتری حاصل ہے۔ انجینئرز یونین' میڈیکل یونین' فارمسٹ یونین' لائرز یونین اور دیگر مختلف یونینوں میں غالب اکثریت سے اخوان کو کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ یہ کامیابی نارمل فضا میں نہیں ہوئی' بلکہ ریاستی اداروں کی طرف سے اخوان کو پیچھے دھکیلنے کے تمام جائز و ناجائز حربے اختیار کیے گئے' بایں ہمہ اخوان عوام کی تائید حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اگر اخوان المسلمون کو مصر میں دستوری اور قانونی راستوں سے کام کرنے کا موقع دیا جاتا تو یقیناً وہاں جو بھی تبدیلی ہوتی پرامن ہوتی۔ مگر افسوس ہے کہ مصری حکومت جو یہودیوں کو تو ہر طرح کے مواقع فراہم کرتی ہے' اسرائیلی وفود کا استقبال کرتی ہے' قبطیوں (مصر کے عیسائیوں) کو مکمل آزادی دیتی ہے' کیمپ ڈیوڈ کے بعد "مصر و اسرائیل" دوستی کے ادارے قائم کرتی ہے مگر اخوان کے بزرگ و دانش مند رہنماؤں کو عوام سے رابطہ رکھنے کی اجازت نہیں دیتی۔ ایک مجلہ جاری کرنے کا ڈیکلریشن مسترد کر دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ مصری نوجوان نسل شدید ردِعمل کا شکار ہو رہی ہے' اور وہ بقول سعدی' تنگ آمد بجنگ آمد کا منظر پیش کر رہی ہے۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے کہ مصر میں بہت جلد "عوامی بغاوت" بھڑک اٹھے گی۔ امریکہ اگرچہ "بنیاد پرستی" کو ایک لمحہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے' اور مصری نوجوان نسل کے ایک گروہ کا رہنما عمر عبدالرحمٰن خود امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں بم کے دھماکے میں موردِ الزام بنا ہوا ہے' مگر عوامی طیش کے سامنے امریکہ کیا بند باندھ سکے گا۔

اردن میں

اخوان المسلمون کو اگر اپنے نام سے کہیں اجازت ہے تو وہ اردن ہے۔ ایک مدت تک تو وہ دعوتی' تربیتی اور رفاہی کام کرتے رہے' اور مصر و شام میں اخوان کے خون آشام حادثات کو دیکھ کر اپنے وجود کے تحفظ میں لگے رہے۔ رفاہی کاموں میں ان کا عمان میں ایک عظیم الشان اسپتال ہے جو پورے شرقِ اوسط میں غیر سرکاری اسپتالوں میں درجہ اوّل کا مکمل اسپتال سمجھا جاتا ہے۔ اور زرقا میں کلیۃ المجتمع کے نام سے ایک کالج لڑکوں کے لیے اور اسی نام سے ایک کالج لڑکیوں کے لیے قائم ہے۔ لڑکیوں کے کالج میں اردن کے علاوہ خلیجی ممالک کی لڑکیاں بھی زیرِ

تعلیم ہیں اور ان کے لیے رہائش کا معقول انتظام ہے۔ کسانوں اور مزدوروں میں بھی ان کے خدمتی پروگرام منظم طریقے سے جاری و ساری ہیں۔ پچھلے ۶ برسوں سے وہ انتخابی سیاست میں حصہ لینے لگے ہیں۔ پچھلے پارلیمانی انتخاب (۱۹۸۷) میں ان کے ۲۴ افراد کامیاب ہوئے تھے۔ موجودہ انتخاب (نومبر ۱۹۹۳) میں ان کے ۱۶ آدمی کامیاب ہوئے ہیں۔ پہلے انھوں نے اخوان کے نام سے حصہ لیا تھا اور اب "اسلامک ایکشن محاذ" کے نام سے۔ کامیابی کے تناسب میں کمی کی وجہ انتخابی نظام کی تبدیلی' اور غیر منصفانہ حلقہ بندی ہے۔ نیز حکمرانوں کے سر پر اسرائیل اور امریکہ کی تلوار لٹک رہی ہے۔ اردن کی اسلامی تحریک اور فلسطین کی تحریکِ مزاحمت "حماس" دونوں ایک ہیں' اور اسرائیل اس اکائی سے لرزاں ہے۔ ان حالات کے پیش نظر اردن کی تحریکِ اسلامی کی یہ کامیابی بہت اہم اور حوصلہ افزا ہے۔

ترکی میں

مصطفیٰ کمال پاشا نے اسلام کو سرزمینِ خلافت سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے کیا کیا جتن نہیں کیے۔ قرآن کریم اور عربی زبان کی تعلیم بند' مسجدیں برباد' اذانیں خاموش' اسلامی لٹریچر ممنوع' عربی رسم الخط منسوخ اور علما قتل کر دیے گئے۔ فرنگی لباس لازم قرار دے دیا گیا۔ خلافت پر خطِ تنسیخ پھیر کر لادینی نظام کو ملک و قوم کا نصب العین قرار دے دیا گیا۔ یہ سب کام محض قراردادوں اور قوانین کے ذریعے نہیں کیے گئے' بلکہ شمشیر و تفنگ کا سہارا لیا گیا۔ تسطمونی میں ملا سعید کردی کی تحریک کو جس طرح کچلا گیا اس میں مصطفیٰ کمال پاشا کی فرعونیت کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ ۱۹۲۸ سے لے کر ۱۹۵۶ تک یہ ہنگامہ رستاخیز برپا رہا۔ اس دور پُرمحن میں ایک مجاہد عالم بدیع الزماں سعید نورسی مرحوم اور ایک نڈر شاعر عاکف بے نے (جسے ترکی کا اقبال کہا جاتا ہے) الحاد ولادینیت اور ظلم و استبداد کے خلاف آواز بلند کی۔ قید و بند کی صعوبتیں بھگتتے رہے' مگر شمعِ ایمان ہاتھ میں لیے طوفانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ ۱۹۵۶ میں عدنان مندریس کی ڈیموکریٹک پارٹی نے عصمت انونو کی ریپبلکن پارٹی کو انتخاب میں شکست دی۔ ڈیموکریٹک کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ عدنان مندریس نے انتخابی مہم میں ترک عوام سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ وہ کامیاب ہونے کے بعد عربی میں اذان کو بحال اور اسلامی اقدار کا احیا کرے گا۔ اسی وعدے پر ترکوں نے اپنے باپ (اتا ترک) کی پارٹی کو زمین بوس کر دیا۔ عدنان مندریس نے بڑی حد تک وعدہ پورا کر دیا' مگر ترکوں کے لادین حلقے' یہودی اور سیکولرزم میں مبتلا فوجی جرنیل اسے زیادہ برداشت نہ کر سکے۔ ۱۹۶۰ میں فوج نے

جمال گورسل کی قیادت میں انقلاب برپا کر دیا۔ عدنان کو دستور کی خلاف ورزی پر سزائے موت دے دی گئی۔ ۱۹۶۳ء میں دوبارہ انتخابات ہوئے اور سلیمان دیمرل کی جسٹس پارٹی کامیاب ہوئی۔ سلیمان دیمرل کی کامیابی بھی اسلامی عناصر کے تعاون کی مرہون منت تھی جنھوں نے انتخابات میں جسٹس پارٹی کا ساتھ دیا تھا۔ سلیمان دیمرل نے اسلامی عناصر سے بے وفائی کی۔ ۱۹۷۳ء میں نجم الدین اربکان نے "ملی نظام پارٹی" قائم کی، مگر چند ماہ بعد ہی حکومت نے اسے ممنوع قرار دے دیا، کیونکہ اس نے اپنے اغراض و مقاصد میں اسلام کا ذکر کر دیا تھا۔ اس کے بجائے ملی سلامت پارٹی اسلامی عناصر کی نمایندہ بن کر اٹھی۔ اس نے انتخاب میں حصہ لیا اور ترکی کی دوسری بڑی سیاسی پارٹی کی حیثیت سے ابھر آئی۔ بلند اجوید کی سوشلسٹ ڈیموکریٹک پارٹی کے ساتھ وہ مخلوط حکومت میں شامل ہوئی۔ مگر پھر اسلام دشمن عناصر نے انگڑائی لی اور کنعان ایورین کا ۱۹۸۲ء میں فوجی انقلاب آگیا۔ ۱۹۸۴ء میں جب سیاسی آزادیاں بحال ہوئیں اور ملکی انتخابات کا اعلان ہوا تو ملی سلامت نے بھی انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔ انتخابی مہم کے دوران نجم الدین اربکان (صدر ملی سلامت) نے قونیہ میں ایک عظیم جلسۂ عام میں تقریر کی۔ ترکی حکومت نے اس عوامی مقبولیت سے گھبرا کر اربکان پر ترکی دستور کی خلافت ورزی کا الزام لگایا۔ انھیں گرفتار کر لیا گیا اور ترکی دستور کی "خلاف ورزی" پر ان کے خلاف مقدمات قائم کیے گئے جن سے وہ آخر کار سرخ رو ہو کر نکلے۔ ۱۹۸۳ء میں رفاہ پارٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔ ۱۹۸۷ء کے انتخاب میں بھی اس نے حصہ لیا اور "متناسب نمایندگی" کے نظام کی وجہ سے اس کو ووٹوں کا وہ تناسب حاصل نہ ہو سکا جس کی بنا پر وہ کامیاب سمجھی جاتی۔ ۱۹۹۲ء کے انتخاب میں اس نے سہ حزبی اتحاد میں شمولیت کی اور پورے اتحاد نے ۴۲ نشستیں جیت لیں۔ بعد میں ایک پارٹی (ترکش قوم پرست پارٹی) اتحاد سے اپنی ۱۴ نشستوں کے ساتھ علیحدہ ہو گئی۔ بلدیاتی انتخاب میں بھی رفاہ کو بڑی عظیم کامیابی ہوئی ہے۔ حالیہ انتخاب میں رفاہ پارٹی نے ترکی کے تمام بڑے شہروں میں کامیابی حاصل کر لی ہے، اور بلدیات کی ایک بڑی تعداد رفاہ کے پاس ہے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ آئندہ ملکی انتخاب میں رفاہ کو بڑی کامیابی ہو گی۔ ترکی کے بدلتے حالات مغرب کی نظر میں ہیں۔ ترکی کی اقتصادی رگ یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی خارجہ پالیسی پر امریکہ کی گرفت ہے۔ ذرائع ابلاغ اور داخلی امور، سیکولر اور مغرب زدہ طبقے کے تصرف میں ہیں۔ ان تمام پھندوں سے گلو خلاصی کرانے کے لیے ترکی کی اسلامی تحریک کے پاس صرف ترک عوام کی طاقت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ امریکہ اور مغربی طاقتیں کس طرح "عوامی اسلامی سیلاب" کا مقابلہ کرتی ہیں۔ (جاری ہے)

آج کا الجیریا

مسلم سجاد

آج کا الجیریا اپنی آزادی کی دوسری جنگ لڑ رہا ہے۔ اور فتح زیادہ دور نہیں۔ یہ فتح دوستوں سے زیادہ دشمنوں کو نظر آ رہی ہے۔ دشمن کی صفوں میں دور دور تک ہلچل اور پریشانی ہے۔ الجیریا "آزاد" ہو گیا' الجیریا میں عوام کے منتخب نمائندوں کو ان کا حق مل گیا' الجیریا میں اسلام حکمران ہو گیا تو زلزلہ آ جائے گا۔ زلزلہ کی لہریں تیونس اور مراکش اور لیبیا میں پہنچیں گی۔ مصر بھی ہل جائے گا۔ فرانس ہی میں نہیں' پورے یورپ میں نوجوانوں میں اسلامی تحریک مضبوط ہو جائے گی (نیوز ویک ۷ فروری ' کے مطابق ' جس نے بحیرہ روم کے خطہ کا ایک نقشہ "زلزلہ کا منطقہ" کے عنوان سے دیا ہے)۔ ایران اور سوڈان کے بعد یہ تیسرا جھٹکا --- امریکہ کو اپنے خواب پریشان ہوتے نظر آ رہے ہیں۔

مغرب "انسانی حقوق اور جمہوری اقدار کا چیمپئن بنتا ہے۔ لیکن ذرا سا وقت پڑنے پر اسے اپنا یہ لبادہ اتارنے میں ذرا تکلف نہیں ہوتا۔ بوسنیا ہو' کشمیر ہو' فلسطین ہو' یا الجیریا' اس کا حقیقی چہرہ آج سب کے سامنے ہے' وہ خود ہی نہ دیکھے تو نہ دیکھے ' دنیا تو دیکھ رہی ہے۔ ہم نے تو ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد' دنیا کو اخلاق و تہذیب کا درس دینے والے برطانیہ کا درندگی' بہیمیت اور شقاوت سے بھرا ہوا چہرہ دیکھا ہوا ہے۔(اگر یہ چہرہ ہماری نئی نسل کی نظروں سے اوجھل ہے تو قصور برطانیہ بہادر کا تو نہیں ہے)۔ آج کے الجیریا میں ' وہاں کی ناجائز حکومت اپنے شہریوں کے ساتھ جو ظلم و ستم روا رکھے ہوئے ہے ' انسانی حقوق جس طرح پامال کیے جا رہے ہیں' جمہوری اقدار کو جس طرح ملیا میٹ کیا جا رہا ہے' وہ مغربی طاقتوں کی پشت پناہی اور آشیرباد کے بغیر ممکن نہیں۔

پس منظر

الجیریا' افریقہ کے شمال میں مسلم دنیا کے "مغرب" کا اہم ملک ہے۔ ۲۴ لاکھ مربع کلو میٹر رقبہ' ڈھائی کروڑ آبادی' قدرتی وسائل سے مالا مال' پٹرول کے چشمے رواں۔ ۱۸۳۰ میں فرانس کے ۱۳۲ سالہ نوآبادیاتی دور کا آغاز ہوا۔ ایک طرف ظلم و ستم اور دوسری طرف جدوجہد اور قربانی کا یہ طویل دور بالآخر ۱۹۵۴ سے ۱۹۶۲ تک ۸ سالہ غیر معمولی تاریخی جنگِ آزادی کے نتیجے میں اختتام کو پہنچا۔ ظلم و ستم اور تعذیب کے کون سے حربے تھے جو پر عزم الجزائریوں پر فرانس کے "مہذب" حکمرانوں نے نہیں آزمائے' لیکن ۱۵ لاکھ شہدا کی قربانیاں لے کر انھیں ۵ جولائی ۱۹۶۲ کو رخصت ہونا پڑا۔ اقتدار قومی محاذ آزادی (FLN) کے ہاتھ میں آیا جس نے اپنے یکم نومبر ۱۹۵۴ کے اعلان میں "اسلامی حدود کے اندر" خود مختار جمہوری الجیریا کو اپنی منزل قرار دیا تھا۔

لیکن الجیریا کے عوام کی قسمت نہ بدلی۔ بن بیلا (۶۵-۱۹۶۲)' بومدین (۷۸-۱۹۶۵)' شاذلی بن جدید (۹۱-۱۹۷۹)' ایک کے بعد ایک آئے' لیکن عوام کو اپنے حکمران خود منتخب کرنے کا موقع نہ ملا۔ ملک مقروض ہوتا گیا' عوام مفلس ہوتے گئے اور حکمران طبقہ مال و دولت سمیٹتا رہا۔ اور اب حال یہ ہے کہ ملک ۲۶ بلین ڈالر کا مقروض ہے۔ افراطِ زر کی شرح ۲۲ فی صد اور بے روزگاری ۲۰ فیصد ہے۔ کارخانوں کی پیداوار نصف رہ گئی ہے (ٹائم' ۷ فروری)۔ ۱۹۹۳ کی برآمدات کا ۸۵ فی صد قرضوں کی ادائگی میں گیا۔ اب آئی ایم ایف نے سکے کی قیمت میں ۲۸ء۶ فی صد کمی کروادی ہے۔ جمہوریت کا نام لے کر حکومت کرنے والے آمروں نے ملک کو اس حال پر پہنچایا کہ عوام چیخ اٹھے۔ اکتوبر ۱۹۸۸ میں عوامی تحریک چلی' جس میں فوج نے عوام پر گولیاں چلائیں اور ہسپتالوں کے بیان کے مطابق ایک ہزار سے زائد افراد ہلاک کر دیے گئے۔

یہ وقت تھا کہ اسلامک فرنٹ (FIS) نے مقبولیت حاصل کرنا شروع کی۔ فرنٹ کے دو قائدین شیخ عباس مدنی اور علی بن حاج ہیں۔ عباس مدنی قومی فرنٹ کے ممبر رہے ہیں۔ ۱۹۵۴ سے ۱۹۶۲ تک بیشتر وقت فرانسیسی جیلوں میں گزارا' لیکن جب آزادی کے قائدین نے اسلامی اصولوں کا نعرہ ترک کر کے سوشلزم کو اختیار کیا تو وہ قومی فرنٹ سے علیحدہ ہوگئے۔ ایجوکیشنل سائیکلوجی میں لندن سے پی ایچ ڈی ہیں۔ بن حاج ۴۰ سالہ رہنما ہیں جنھوں نے ابن تیمیہ' حسن البنا اور دوسرے مشاہیر علما کی تصنیفات سے علم حاصل کیا ہے۔ ان دونوں رہنماؤں نے اپنی تقاریر میں بار بار کہا کہ وہ قومی خزانہ لوٹنے والوں کا احتساب کریں گے۔ اس سے غیر ملکی قرضے ادا کریں گے۔ ۱۹۶۲ سے اب تک کے تمام افسروں کے بارے میں تحقیقات کی جائیں گی۔ فرنٹ کی مقبولیت سے

حکمران پریشان تھے۔ انھوں نے انتخابات کے لیے ایسے قواعد وضوابط وضع کیے کہ فرنٹ انتخاب میں زیادہ کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

۱۲ جون ۱۹۹۰ کے بلدیاتی انتخاب میں اسلامک فرنٹ کو ۵۴٫۲۵ فی صد اور قومی فرنٹ کو صرف ۲۸٫۱۴ فی صد ووٹ ملے۔ عوام نے اسلامک فرنٹ کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا' تاکہ ۱۹۵۴ میں جن مقاصد کے لیے الجیریا نے آزادی کی لڑائی شروع کی تھی ان کی تکمیل کی جائے۔ قومی انتخابات کے لیے ۲۷ جون ۹۱ کی تاریخ مقرر تھی۔ فوجی حکومت نے پھر قواعد تبدیل کیے تاکہ اسلامک فرنٹ کی فتح شکست میں بدل جائے۔ تاریخ بھی بڑھا دی۔ فرنٹ کی قیادت نے ایک روزہ امن ہڑتال کی۔ حکومت نے ریاست کی سلامتی کے بہانے قیادت کو گرفتار کر لیا۔ اب الیکشن کی تاریخ ۲۶ دسمبر ۹۱ تھی۔ اسلامک فرنٹ کے خلاف اس پہلی کارروائی پر یہ انعام ملا کہ فرانسیسی وزیر نے جولائی میں الجیریا آکر ۱۴٫۳ بلین فرانک کی امداد دی اور یورپی برادری نے دسمبر میں ایڈ پیکیج کے پہلے حصے کے طور پر ۱۷۵ ملین ارسال کیے۔ حکمرانوں اور ان کے پشت پناہوں کے اندازے تھے کہ قیادت جیل میں ہے' قواعد تبدیل کر دیے گئے ہیں' اس لیے فرنٹ فتح حاصل نہیں کر سکے گا۔ الیکشن کو دو راؤنڈ میں اختتام پذیر ہونا تھا۔ لیکن پہلے ہی راؤنڈ کے نتائج نے دنیا کے بڑے بڑے دارالخلافوں میں کھلبلی مچا دی۔ اسلامک فرنٹ بیلٹ بکس کے ذریعہ اسلامی حکومت کے قیام کی منزل کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔ ۲۳۲ میں سے ۱۸۸ نشستیں اس نے حاصل کر لی تھیں۔ سوشلسٹوں کو ۲۵ اور قومی فرنٹ کے حصے میں صرف ۱۶ آئی تھیں۔ دوسرے مرحلے کے بعد کسی بھی جمہوری قاعدے سے اسلامک فرنٹ کی الجیریا پر حکمرانی' الجیریا کے عوام کی خواہشات کی آئینہ دار ہوتی۔

فنانشل ٹائمز نے ۲۶ دسمبر ۹۱ کو لکھا:

انھیں باہر رکھنا بہت مشکل ہو گا۔ نظر آ رہا ہے کہ اسلامک فرنٹ مطلق اکثریت حاصل کرنے والا ہے۔ سمجھوتوں کے ذریعے بھی انھیں وہ ۲۸ نشستیں حاصل کرنے سے نہیں روکا جا سکتا جن کی انھیں ضرورت رہ گئی ہے۔

حکمرانوں کا ردِ عمل

جن عناصر کے ہاتھ میں اقتدار تھا ان کے سامنے اب دو راستے تھے۔ ایک وہ راستہ تھا جس پر چلنے کا تقاضا حب وطن کرتا تھا' جس پر چلنا جمہوریت کا تقاضا تھا۔ انھوں نے ۳۰ سال الجیریا کے عوام کا استحصال کیا تھا۔ ان کے گاڑھے پسینے کی کمائی سے عیش ونشاط کی محفلیں سجائی تھیں۔ اب

عوام نے اپنی رائے کا کھلا اظہار کر دیا تھا۔ انھیں مسترد کر دیا تھا۔ انھوں نے ہر طرح کی رکاوٹوں اوراندیشوں کے باوجود' اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ وہ ملک کا مستقبل اسلامک فرنٹ کے ہاتھوں میں دینا چاہتے ہیں۔ اقتدار کے حامل گروہ کے سامنے صاف اور سیدھا راستہ تھا کہ اگلا راؤنڈ منعقد کرواکے اقتدار انھیں منتقل کر دیتے۔

لیکن امتِ مسلمہ کی بدقسمتی یہ ہے کہ مغربی تعلیم یافتہ لوگ بہت روشن خیال اور لبرل بنتے ہیں اور اہلِ دین پر تنگ نظری اور تشدد کی پھبتیاں کستے ہیں' لیکن خود ان کا عمل ان پھبتیوں کا مصداق ہوتا ہے۔ جمہوریت ان کے "مذہب" کی بڑی اہم قدر ہے' لیکن جب ہی تک ہے جب اس کے ذریعہ انھیں حکومت ملے۔ جہاں انھیں محرومی کا اندیشہ ہوتا ہے وہ سب سے پہلے' ہر اصول کو بالائے طاق رکھ کر' اس کی بساط لپیٹ دیتے ہیں' اور اپنے ہی عوام پر' جو اسلحہ انھوں نے دشمن سے مقابلہ کے لیے اپنا پیٹ کاٹ کر فراہم کیا ہے' انھی پر تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مغربی ممالک کے قائدین بھی خوب ہیں۔ اپنے ملکوں میں تو پرامن انتخابات کے ذریعے انتقالِ اقتدار کرتے رہتے ہیں' لیکن ہم "پسماندہ" ملکوں کو وہ یہ آزادی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگر ان کے مفادات کے محافظ گروہ کو اقتدار ملنے میں ذرا دیر ہو' ان کا استحقاق بھی واضح نہ ہو' تب بھی انھیں حکومت دلوانے کے لیے جمہوریت کی دہائی دے کر کھلے عام مداخلت میں تکلف محسوس نہیں کرتے۔ لیکن اگر عوام کی خواہشات کسی ایسی پارٹی کے حق میں واضح ہوں جو ان بیرونی طاقتوں کی منظورِ نظر نہ ہو' تو پھر فوج میں اپنے ایجنٹوں کو استعمال کر کے' بدترین ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیا جاتا ہے۔ کاش مغرب کے عوام میں اتنی بیداری ہوتی کہ وہ اس ظلم میں ساتھ دینے سے اپنے حکمرانوں کو روکتے۔ کاش اس طرح کا ظلم و ستم ڈیماکریٹک یا لیبر پارٹی کو الیکشن جیتنے کے بعد اپنے ملک میں سہنا پڑے۔

ایسا کیوں کیا جاتا ہے۔ اگر حکمرانوں کے ہاتھ صاف ہوں تو انھیں اقتدار چھوڑنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن جب انھیں یہ نظر آئے کہ آنے والے نیک نیت اور دیانت دار ہیں تو انھیں اپنے کرتوتوں کا یومِ حساب نظر آنے لگتا ہے۔ یہ اتنے بدباطن ہوتے ہیں کہ ملک اور قوم کو داؤ پر لگانے اور ہزاروں بے گناہوں اور معصوموں کو ہلاک کرنے اور تعذیب دینے میں کوئی تامل نہیں کرتے۔

اسلامی قوتوں کو عوام کی تائید اور انتخابات میں فتح کے باوجود اقتدار سے محروم رکھنے کی ایک عجیب و غریب دلیل یہ دی جاتی ہے کہ "ایک آدمی ایک ووٹ" تو ٹھیک ہے' لیکن یہ صرف "ایک

ہی بار" نہ ہو۔ اسلامک فرنٹ سے اندیشہ ہے کہ ایک دفعہ اقتدار میں آگئے تو حکومت نہیں چھوڑیں گے۔ اب ہٹلر والی غلطی نہیں ہونا چاہیے! جو لوگ ۱۹۶۲ سے اقتدار میں ہیں' اور اب اس پر بھی نہیں چھوڑ رہے ہیں کہ عوام نے ان کے خلاف کھلا فیصلہ دے دیا ہے' کیا وہ ہٹلر نہیں ہیں۔ اسلامک فرنٹ عوام کی حمایت سے محروم ہو کر اقتدار سے کس طرح چمٹا رہ سکے گا۔ ایران کی مثال سامنے ہے۔ وہ انقلابی بھی ہے' اسلامی بھی' لیکن پے در پے باقاعدگی سے انتخاب ہو رہے ہیں۔ سیکولرسٹوں کی اتنی مضبوط بین الاقوامی لابی ہے۔ اگر کوئی اسلامی حکومت انسانی حقوق کی ذرا بھی خلاف ورزی کرے تو ساری دنیا آسمان سر پر اٹھا لے گی۔ یہ تحفظ تو سیکولرسٹوں کو حاصل ہے کہ جو مظالم چاہیں کر لیں' مغربی پریس مذمت میں ایک لفظ نہیں کہتا' اور اسلامی دنیا بھی خاموش رہتی ہے۔

الجیریا کے حکمرانوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور ملک کو دو سال میں اس حال کو پہنچا دیا کہ الامان والحفیظ!

۱۲ جنوری ۱۹۹۲ کے دوسرے راؤنڈ سے پہلے ہی "جمہوریت اور قومی مفادات" کے تحفظ کے نام پر' فوج کی آشیرباد اور مغربی طاقتوں کی منظوری سے' ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا۔ ایک ہائی کونسل آف اسٹیٹ قائم کر دی گئی۔ بن جدید کی قربانی دے دی گئی' اور بوضیاف کو لا کر بٹھا دیا گیا۔

اسلامک فرنٹ نے اپنے پیروکاروں سے اپیل کی کہ ضبط سے کام لیں اور فوجی جنتا کو ظلم و ستم کے لیے عذر فراہم نہ کریں۔ لیکن شاید انھیں کسی بہانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اسلامک فرنٹ کے ۲۴ فروری ۹۲ کے اعلانیہ کے مطابق: سرکاری فوجوں نے اسلامک فرنٹ کے ۱۵۰ حامیوں کو شہید کر دیا ہے' ۷۰۰ سے زائد کو زخمی کر دیا ہے' اور ۳۰ ہزار سے زیادہ افراد صحرا میں صلاح' تمیمون' اور گلہ' اضرار اور ریگان کے نظربندی کیمپوں میں ۴۷ درجہ شدید گرمی اور ناقابل بیان تکالیف کا شکار ہو رہے ہیں۔ ان میں ۲۰۰ میئر' علاقائی اسمبلیوں کے ۲۸ چیئرمین' اور ۱۰۹ پارلیمانی امیدوار شامل ہیں۔ (کیا اس طرح کا' یا اس کا ایک دسواں حصہ ظلم بھی' کسی اسلامی قوت نے سیکولرسٹوں پر کیا ہے؟)

لیکن یہ تو آغاز تھا۔ الجیریا کے دشمن اور ظالم حکمرانوں نے اپنے عوام پر ظلم و تعذیب کے جس نئے دور کا آغاز کیا وہ آج دو سال کے اختتام پر بھی جاری ہے۔ اس ظلم و ستم کا ایک نتیجہ یہ ہوا ہے کہ عوام کے اندر سے جوابی کارروائی کے لیے گروہ منظم ہوئے جنھوں نے فوج اور پولیس

سے کچھ ان کی زبان میں بات کی۔ اس پر فوجی اور ان کے حامی تلملا اٹھے۔ مسلمان ملکوں کے یہ ظالم فوجی حکمران چاہتے ہیں کہ اپنے نہتے بے بس شہریوں پر بندوقیں تان کر اپنی فتح اور امن کے جھنڈے گاڑ دیں۔ جب مقابلہ ہوا اور یہ کوئی برابر کا مقابلہ نہیں' تو اب انھیں مقابلے پر آنے والے مظلوم بڑے پر تشدد اور قاتل نظر آتے ہیں۔ اور یہ اس کا پروپیگنڈہ کر کے اسلام کا خوفناک چہرہ اپنے ان آقاؤں کو دکھاتے ہیں جو پہلے ہی اسلام کی خود اپنی بنائی ہوئی خیالی خوفناک تصویر سے ڈرے ہوئے ہیں۔ لیکن آئینہ میں خود اپنا انتہائی کریہہ 'ہولناک اور شرمناک حقیقی چہرہ دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

موجودہ صورتِ حال

ہائی اسٹیٹ کونسل کے نام پر جو ادارہ بنایا گیا وہ بھی صرف دکھانے کو' اصل اقتدار فوج کے پاس رہا۔ تبصروں میں مافیا اور "مقتدر قوت"(The Power) کے اشارے استعمال کیے جاتے ہیں' جون ۹۲ میں صدر بو ضیاف قتل کردیا گیا اور مخالف اور موافق سب ہی یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ قتل مقتدر قوت نے کروایا' اس لیے کہ بو ضیاف مکمل اطاعت میں پس وپیش کرتے تھے۔ انھوں نے صدارت سنبھالنے پردی ہوئی تقریر پڑھنے کے بجائے خود اپنی تقریر کی اور بد عنوانیوں کی مذمت کی ۔(نیوز ویک' ۷ فروری ۹۴)

گذشتہ دوسالوں میں ساڑھے تین ہزار سے زائد افراد قتل کیے جا چکے ہیں۔ الجزائری اور مغربی ذرائع کا کہنا ہے کہ بنیاد پرستوں کو کچلنے کے لیے سیکورٹی فورسز نے ڈ-تھ سکواڈ نامی خصوصی دستہ بنایا ہے۔ یہ کرفیو کے دوران اسلامسٹوں اور ان کے رشتہ داروں کو اغوا کر کے ہلاک کرتے ہیں اور نعشیں قریب ہی ڈال دیتے ہیں۔ پولیس اور فوج ہر اس گوریلے کو سزائے موت دیتے ہیں جو ان کے ہاتھ آجائے (ٹائم' ۷ فروری ۹۴)۔ انسدادِ فساد کے سکواڈ بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ یہ نقاب پوش ہوتے ہیں تاکہ ان کی شناخت نہ ہو سکے۔ ایک اسلامسٹ کو اغوا کر کے قتل کر دیا جس کے جنازہ میں ۵۰ ہزار افراد نے شرکت کی (اکنامسٹ ۱۱ فروری)۔ آہ! ملتِ اسلامیہ کے کیسے کیسے فرزند اس طرح رخصت کیے جا رہے ہیں!

عدالتوں کا یہ عالم ہے کہ وکیلوں پر پابندی ہے کہ جج کا نام ظاہر نہ کریں۔ اس "جرم" پر ۳ ماہ کی قید ہو جاتی ہے۔ لیکن کسی ایمنسٹی' کسی ہیومن رائٹس گروپ کو خبر نہیں ہوئی۔

" ناقابل تردید شہادتیں موجود ہیں کہ پولیس الجزیرہ کے بلکورٹ اور کوبہ ضلع میں کسی بھی پولیس والے کے قتل کیے جانے پر سابقہ قیدیوں میں سے کسی کو بھی 'ایک کے بجائے دو دو کو قتل

کر دیتے ہیں۔ دارالحکومت کے تین پولیس اسٹیشنوں میں ٹارچر معمول ہے۔ ۱۹۴۳ میں اتحادی افواج نے ہوائی حملہ سے بچاؤ کے لیے جو پناہ گاہیں بنائی تھیں ان میں ٹارچر سیل قائم کیے گئے ہیں۔ کرفیو کے اوقات میں ان عمارات سے پلاسٹک کے تھیلوں میں انسانی لاشیں باہر لا کر خفیہ طور پر دفن کر دی جاتی ہیں۔ شاکرجہ قید خانے میں چوہوں سے بھری کوٹھڑیوں میں قیدی کئی کئی ماہ کی قید تنہائی گزارتے ہیں۔ مجھے ایک سابقہ قیدی نے دوسرے ساتھی کا یہ حال بتایا کہ وہ "مقدمے" کے لیے لے جایا گیا' تو اس پر نظر پڑی کہ "جیسے غاروں کے زمانہ کا کوئی انسان' کندھوں تک بڑھے ہوئے بال' ایک ایک انچ کے ناخن' کانوں سے پیپ بہتی ہوئی' جسم جوؤں سے بھرا ہوا' ہڈیوں کا ڈھانچہ"۔

"۱۵ جنوری کو قصبہ لربہ میں فوج نے تلاشی کے بعد سات افراد --- طیب' محفوظ' حلیم' فخرالدین' محمد عقلو اور دو بھائی میجانی --- کو دیوار سے لگا کر شوٹ کر دیا۔ اس شام اسی جگہ پر احتجاجی مظاہرہ پر فائرنگ سے ۲ سالہ بچی اور اس کی دادی کو ہلاک کر دیا۔ ۲۳ جنوری کو بود واوا (دارالخلافہ سے ۳۰ میل دور) میں محمد سعید' عبداللہ' علی اور مسعود چار افراد کو دیوار سے لگا کر شوٹ کر دیا گیا"۔ (فرنٹیر پوسٹ' The Horror Story: Robert Fisk)۔

ان شواہد سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک برادر مسلمان ملک کے عوام پر کیا قیامت گزر رہی ہے۔ بیچارے فوجی حکمرانوں کو ملک کو اسلام کے قبضہ سے بچانے کے لیے کیا کچھ کرنا پڑ رہا ہے!

اس صورت حال کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ غیر ملکی ملک چھوڑ چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ۷۵ ہزار میں سے ۸۰'۹۰ فی صد ملک چھوڑ چکے ہیں۔ ۸ ہزار فرانسیسیوں میں سے ۵ ہزار جا چکے ہیں (ٹائم' ۲۷ دسمبر ۹۳)۔ بعض دنوں میں ۶'۷ ہزار ویزا کے خواہشمندوں کا ہجوم ہوتا ہے اور سیکیورٹی گارڈ کو مجمع قابو کرنے کے لیے ہوائی فائرنگ کرنا پڑتی ہے (لی مانڈے' ۲۹ دسمبر ۹۳)۔

الجزائر کے حکمران الزام لگاتے ہیں کہ اسلام پسند غیر ملکیوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ "خرطوم میں اسلامی بنیاد پرستوں کی حالیہ کانفرنس میں فرنٹ کے جلاوطن رکن قمرالدین خربانے خود کو غیر ملکیوں کے قتل کا قطعی مخالف قرار دیا" (نیوز ویک' ۳ فروری)۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر ناجائز مسلط حکمرانوں نے حقداروں کے لیے جگہ خالی کر دی ہوتی اور فرنٹ نے اپنی حکومت قائم کر لی ہوتی اور ملک ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو گیا ہوتا' تو کیا تب بھی غیر ملکی ملک چھوڑ کر جاتے۔ امن و امان کی شدید صورتِ حال تو عوام کی واضح مرضی کے خلاف مسلط رہنے سے پیدا ہو رہی ہے۔

حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے خود مغربی اخبارات یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ فرنٹ ضابطوں کی پابند جماعت ہے' اس لیے نوجوان اپنا گروپ G.I.A بنانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ یہ بیشتر فنڈ نجی عطیات سے حاصل کرتے ہیں (نیوز ویک' ۷ فروری ۹۴)۔ معاملات اسلامی رہنماؤں کے ہاتھ سے نکل کر جنگجو اسلامسٹوں کے ہاتھ میں آتے جا رہے ہیں (ٹائم' ۷ فروری ۹۴)۔ اسلامی انقلابیوں کی عوام میں حمایت بڑھ رہی ہے۔ حکومت فرنٹ کی قیادت کو جتنے عرصے جیل میں رکھے گی گوریلے اتنے ہی مضبوط ہوتے جائیں گے۔ (اکنامسٹ' ۱۱ فروری ۹۴)

اور اب حال یہ ہے کہ مستشر فوجی افسر اعتراف کرتے ہیں کہ "وہ اپنے تمام ماتحت کمپنیوں پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ فوج کے اندر موجود "ففتھ کالسٹ" پہلے ہی فوجی تنصیبات پر بعض بد ترین حملوں کے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں۔ فوجی منحرف ہو رہے ہیں اور بعض اوقات پوری بٹالین منحرف ہو جاتی ہے"۔ (اکنامسٹ' ۱۱ فروری ۹۴)

دیہات میں اور دارالحکومت کے مضافات میں اسلامی گوریلے آزادانہ گھومتے ہیں۔ انھوں نے اپنے علاقے قائم کر لیے ہیں جہاں مذہبی قوانین نافذ ہیں (ٹائم' ۷ فروری ۹۴)۔ ملک کے بڑے بڑے علاقے حکومت کے کنٹرول سے باہر ہیں۔ جن لوگوں نے ملک میں سفر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حکومت کی حدود اقتدار الجزیرہ' اوران' اور انبہ کے شہروں تک ہیں۔ کانسٹنٹائین بھی' کم سے کم رات کے وقت' حدود سے نکل جاتا ہے۔ (The Horror Story : Robert Fisk)

رسالہ ٹائم کے مطابق "فرانسیسی افسر قائل ہوتے جا رہے ہیں کہ موجودہ حکومت کا کنٹرول ختم ہوتا جا رہا ہے"۔ حکومت کے ایک دفاعی ماہر کا کہنا ہے کہ "ہمارے خیال میں بنیاد پرستوں کی فتح سے اب کوئی مفر نہیں ہے"۔ ایک سفارتکار کے الفاظ میں "الجزائری حکومت اپنے جال میں خود پھنس گئی ہے۔ واضح نہیں کہ وہ جال سے نکلتے بھی ہیں یا نہیں۔ اور یہ کہ وہ جال سے زندہ بھی نکلتے ہیں"؟

مہینوں کی گفت و شنید کے بعد اتفاق رائے کے لیے دو روزہ نیشنل کانفرنس منعقد کی گئی۔ افواہیں رہیں کہ حکومت نے فرنٹ کی قیادت سے رابطے کیے ہیں۔ اہم قیدی جیل سے نکال کر گھروں میں نظر بند کر دیے جائیں گے۔ لیکن یہ کانفرنس آغاز سے قبل ہی ناکام ہو چکی تھی۔

فوج نے وزیر دفاع کو ۳ سال کے لیے عارضی صدر مقرر کر دیا۔ لیکن سیاسی عناصر جانتے ہیں کہ اس کے بعد پھر ایک عارضی دور ہی آئے گا۔ یوں حکومت کا آخری جواز بھی ختم ہو گیا۔ کوئی بڑی جماعت اس کانفرنس میں شریک نہیں ہوئی۔ حکومت اپنے تمام تر فطری اتحادیوں سے محروم

ہو چکی ہے' پھر وہ کن سے مذاکرات کرنا چاہتی ہے۔ نشستیں تنظیموں' اکاؤنٹنٹوں اور ایسے گروپوں سے بھری ہوئی تھیں جن کا نام بھی کسی نے پہلے نہیں سنا۔ یہ کانفرنس مزید الجھاؤ' مزید تباہی اور جنگ میں مزید شدت کا راستہ ہموار کر گئی۔ (اکنامسٹ' نیوز ویک)

تازہ ترین صورتِ حال کا اندازہ مارچ ۹۴ کی اس خبر سے ہو سکتا ہے کہ "جنگجوؤں نے پہاڑی علاقے طازلت کے قید خانے سے ہزار سے زائد بنیاد پرستوں کو آزاد کرا لیا"۔ یہ جیل خانہ وہ ہے جس کی حفاظت کے غیر معمولی سخت انتظامات کیے گئے تھے۔ بعد کی اطلاعات کے مطابق سیکورٹی فورسز نے ان میں سے ۲۴ افراد کو شہید کر دیا ہے' اور ۷۹ افراد دوبارہ گرفتار کر لیے ہیں۔ باقی لوگ تلاش کی ہر طرح کی کوششوں کے باوجود ابھی آزاد ہیں۔

مستقبل؟

اب کیا ہو گا---- بظاہر ابھی فوج نے براہ راست اقتدار نہیں سنبھالا ہے۔ لیکن وہ بھی جانتی ہے کہ یہ کوئی حل نہیں ہے۔ خود اس کی صفوں میں دراڑیں پڑ چکی ہیں جو بالکل فطری ہیں۔ اپنے ہی عوام پر کوئی فوج آخر کتنا ظلم کرے۔

مغربی آقاؤں کی نظر میں فوج سیکولر اقتدار کی آخری محافظ ہے۔ وہ اپنی تمام اقدار جمہوریت' انسانی حقوق' عدل سب کو روندنے کے لیے تیار ہیں' لیکن اس گروہ کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں۔ امتِ مسلمہ کا المیہ یہ ہے کہ اس کے حکمران گروہ قوم کی گردنوں پر پیرِ تسمہ پا کی طرح مسلط ہیں۔ اسلحہ کی جو طاقت ان کو اس لیے فراہم کی جاتی ہے کہ وہ ملک و ملت کے دشمنوں کے آگے سینہ سپر ہوں وہ اسے لے کر اپنے بے بس شہریوں پر چڑھ دوڑتے ہیں۔

لبرل دانشوروں کو اندیشہ ہے کہ فوج کے کچھ عناصر' جنگجوؤں سے مل کر انقلاب نہ لے آئیں۔ الجیریا کے حالات میں ضرور یہ عملی امکان ہو گا' لیکن ان دانشوروں کو یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ اس کی نوبت کون لا رہا ہے۔ فرنٹ نے انتخابات جیتے۔ جمہوریت' لبرلزم اور سیکولرزم کے ہر اصول کے مطابق وہ اس ملک کے حقیقی حکمراں ہوتے۔ انھیں اس سے محروم کرنے کے لیے جدید دور کے تہذیب یافتہ حکمرانوں نے تہذیب کی ہر قدر کو روند ڈالا۔ اس کا کیا جواز ہے۔ اگر کوئی خونی انقلاب آتا ہے' اور سیکولرسٹوں کے کشتوں کے پشتے لگتے ہیں' تو اس کے ذمہ دار تو وہ خود یا ان کے مغربی آقا ہوں گے۔ اگر ۹۲ کے جون میں انتخابات کے بعد عباس مدنی' اور بن حاج جیسے معتدل مزاج' سنجیدہ اور اسلامی اقدار کا احترام کرنے والے قائدین حکمرانی کرتے' تو کیا الجیریا اس تباہی سے دوچار ہوتا؟

۲۰ مارچ کے "دی گارجین" ویکلی میں ڈیوڈ ہرسٹ نے الجیریا اور مصر میں بنیاد پرستوں کی "دہشت پسند تحریک" کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حیرت کی بات نہیں کہ دونوں حکومتوں میں اب ایک ہی بات مشترک ہے:

More and more Western and Arab forecasts of their collapse in more or less bloody chaos.

اگر ان حکمرانوں کو ملک سے' اپنی قوم سے ---- اس قوم سے جس نے ان کی اپنے خون پسینے سے پرورش کی ہے' انھیں اتنے عرصے اتنے صبر سے برداشت کیا ہے ---- کچھ بھی ہمدردی ہو' تو ان کے لیے یہ راستہ ہر وقت کھلا ہے کہ اپنے عوام کی خواہشات کے آگے سر جھکا کر' اپنا ہر انجام قبول کرلیں۔ جرمنی میں فرنٹ کے ترجمان نے کھل کر کہا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو مٹا نہیں سکتے۔ "جو دی پاور نہیں ہیں' اور اسلامی ریاست کے قیام کو تسلیم کرتے ہیں' ہم انھیں خوش آمدید کہیں گے"۔

عالم عرب میں الجیریا کے حکمرانوں کے کوئی خیر خواہ ہیں تو انھیں ان کو یہ مشورہ دینا چاہیے کہ اب بھی وہ اقتدار حقیقی حکمرانوں کے حوالے کر دیں' ۹۱ کے انتخابی نتائج کو تسلیم کرلیں' اور الجیریا کا مستقبل تباہ کرنے اور اس کے عوام کی زندگیوں سے کھیلنے سے باز آجائیں۔

کرنے کے کام

مغربی طاقتوں نے اپنے اوپر اسلامی بنیاد پرستوں کا ہوّا طاری کر لیا ہے۔ ۲ جنوری' ۱۹۹۴ کو گارجین" میں وکٹوریہ برٹین نے لکھا' الجیریا جو عرصے سے تیسری دنیا کا رہنما ہے فرنٹ کے حکومت سنبھالنے کے بعد Catastrophic Upheavel کا سامنا کرے گا"۔ (عملاً تو نہ سنبھالنے دینے سے یہ صورت رونما ہوئی ہے!) فرانس کے ایک فوجی افسر نے کہا کہ ہمیں الجیریا کی موجودہ حکومت سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ مگر ہمارے لیے کیا چارہ کار ہے؟ یا یہ 'یا بنیاد پرست ---- یا ہیضہ یا طاعون۔ (کیوں نہ آپ وہ "طاعون" پسند کرلیں جو الجیریا کے عوام بھی چاہتے ہیں' آپ کی جمہوریت تو محفوظ رہ جائے گی)۔

اسلامی حکومت کے بارے میں مغرب کی "بد گمانی" کب تک رہے گی' اور کس طرح ختم ہو گی۔ جن پر بنیاد پرستی کا الزام ہے' انھیں اور جو بھی اسلام کا خیر خواہ ہے اسے' اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیے۔ اہلِ دانش اور مفکرین کو اس کے لیے سوچ سمجھ کر تدابیر اختیار کرنا چاہئیں' اور کسی

مسلمان حکمران کی کسی بھی وجہ سے بڑی طاقتوں کے دربار میں کچھ سنی جاتی ہے' تو اسے ان کو رویّہ درست کرنے کی تلقین کرنا چاہیے' اندیشے دور کرنا چاہیے' حقائق سے آگاہ کرنا چاہیے۔

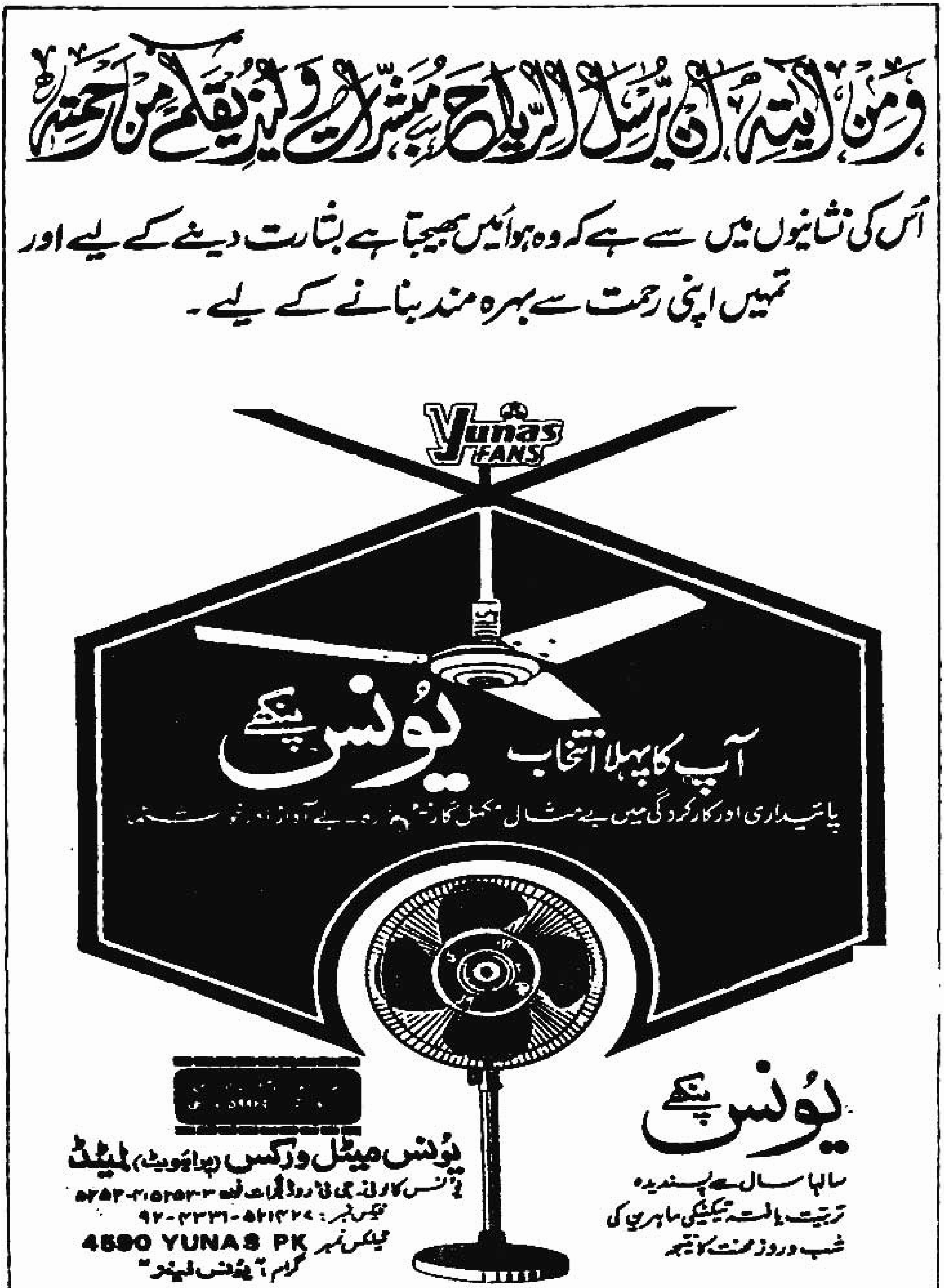
الجیریا کی صورتِ حال صرف مسلم دنیا کے لیے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے اور عالمی ضمیر کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے ہر خیر خواہ اور ہمدرد کا فرض ہے کہ وہ صورت حال کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہ کرے' ہر ممکن ذریعہ سے الجیریا کے حکمرانوں کو اور ان کے پشت پناہ حکمرانوں کو بتائے کہ اس سے ان کو کیا نقصان پہنچ رہا ہے۔ مغربی معاشرہ کے عوام میں کھلے ذہن کے اور انصاف پسند کم نہیں ملیں گے' ان تک حقیقی صورتِ حال پہنچنا چاہیے۔ وہاں کے عوام اور ذرائع ابلاغ اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈال کر' ان کی پالیسی پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ فرنٹ کی یورپی شاخ کے چیرمین غفار الحواری ہیں۔ یہ تنظیم فرانسیسی اور عربی میں اپنا ترجمان ۲۰ سے ۳۰ ہزار شائع کر کے جمعہ کی نماز کے بعد تقسیم کرتی ہے۔ پابندی لگنے پر انھوں نے دوسرا نکالا' تیسرا نکالا۔ یہ کام صرف فرنٹ کے کرنے کا نہیں اور صرف مسلمانوں تک بات پہنچانے کا نہیں۔ ہر ملک میں منظم کام ہونا چاہیے' باہم رابطہ ہونا چاہیے' اور براہِ راست مغرب کے رائے ساز افراد (opinion makers) اور اداروں کو ہدف بنا کر حقائق اور واقعات سے آگاہ کرنا چاہیے۔

جو منظر آج کے الجیریا میں ہے' وہی کل کسی دوسرے ملک میں ہو سکتا ہے۔

اس کا مطالعہ راستے دکھانے کا باعث ہو سکتا ہے' خصوصاً ان حکمرانوں کو جن کے سامنے صحیح راستہ صاف اور کھلا ہوتا ہے لیکن وہ غلط راستے پر تباہی کی طرف چلتے ہیں' اپنی بھی اور قوم کی بھی۔ حیرانی ہوتی ہے کہ الجیریا کو غلامی میں رکھنے کی کوشش کرنے والوں کی نظر سے یہ حقیقت کس طرح اوجھل ہو گئی کہ اس الجیریا کے عوام نے پہلی جنگِ آزادی میں ۱۵ لاکھ جانوں کی تاریخی قربانی دی۔

الجیریا کے قائد بن حاج نے کیا خوب کہا ہے: وہ وقت کب آئے گا کہ غلام مسلمان اپنے آقا مغرب سے بغاوت کریں گے؟

وہ وقت آرہا ہے!



وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ
اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے بشارت دینے کے لیے اور
تمہیں اپنی رحمت سے بہرہ مند بنانے کے لیے۔
Yunas FANS
آپ کا پہلا انتخاب
یونس پنکھے
یونس پنکھے
سالہا سال سے پسندیدہ
تربیت یافتہ تیکنیکی ماہرین کی
شب و روز محنت کا نتیجہ
یونس میٹل ورکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ
فیکس نمبر: ۹۲-۴۳۳۱-۵۲۱۳۲۷
ٹیلکس نمبر 4590 YUNAS PK
گرام "یونس فینز"

کتاب نما

سیرت البم : مرتبہ شاہ مصباح الدین شکیل۔ ناشر: پاکستان اسٹیٹ آئل کمپنی لمیٹڈ' داؤد سنٹر' مولوی تمیزالدین خاں روڈ' پوسٹ بکس نمبر ۳۹۸۳' کراچی۔ صفحات ۱۲۰۔ قیمت درج نہیں۔

پاکستان اسٹیٹ آئل کمپنی لمیٹڈ نے پاکستان کی خدمت نہ صرف مادی پہلو سے تیل (پٹرول) کے ذریعے کی بلکہ روحانی و ایمانی پہلو سے بھی سیرتِ پاک' پر شاندار کام کر کے لازوال خدمت انجام دی۔ ادھر تیل تھا اور ادھر تیل کی دھار۔ اس کمپنی نے سودوزیاں کے چکر سے بالاتر ہو کر یہ مقامِ سعادت حاصل کیا۔ کاش دوسرے سرکاری اور غیر سرکاری کاروباری ادارے بھی ایسی خدمات سے پاکستان اور دنیا کو مالامال کر دیں۔

یہ کام جو سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ۲ جلد سے شروع ہو کر اسی کے تعلق سے سیرت البم تک پھیلا ہوا ہے' شاید اس شان سے تکمیل نہ پاتا' اگر شاہ مصباح الدین شکیل جیسی شخصیت تیل کے سمندر سے سورج کی طرح طلوع نہ ہوتی۔ سچ کہتا ہوں کہ میں جن کاموں سے متاثر ہوا ہوں ان میں سے ایک یہ البم ہے' اور جس شخص کو میں محبت و احترام کے قابل سمجھتا ہوں' وہ شاہ مصباح الدین شکیل ہیں۔ ان کی تحقیق' ان کی تحریر اور ان کا حسنِ ترتیب' سامانِ کششِ دل ہے۔

میاں محمد فرید منیجنگ ڈائریکٹر پی' ایس' او کے لکھے ہوئے پیش لفظ کی دو چار سطروں میں اس البم کی ماہیت اور اس کے لیے سعی و جہد کا جامع بیان ہے :

> پاکستان اسٹیٹ آئل کمپنی کو اللہ تعالیٰ نے دونوں نعمتوں سے نوازا ہے جن کا کچھ حصہ اسلامی تعلیمات کی ترویج' رفاہی کاموں اور ملک کی ہمہ جہتی ترقی کی مساعی پر صرف کیا جاتا ہے۔ سیرت البم بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ ۱۹۷۹ سے کی جانے والی منظم اور مفصل کوششوں کا حاصل ہے۔ اس کے مولف نے ساڑھے چار مہینے حجاز مقدس میں گزارے اور سیرتِ طیبہ کے اہم تاریخی مقامات مکہ' مدینہ' طائف' بدر' احد' حدیبیہ' الحساء' خیبر' مدائن صالح وغیرہ کا بہ چشمِ خود مشاہدہ کیا۔ ان سے متعلق معلومات

حاصل کیں۔ ان مقامات کو تصویروں میں محفوظ کیا۔ اس کے علاوہ نادر تصاویر جمع کیں۔ خلیج کے اس کنارے دہران سے بحیرۂ احمر کے دوسرے ساحل جدہ تک اور اندرون حجاز ۵ ہزار میل کا سفر کیا۔ علما' اساتذہ اور عوام سے ملاقاتیں کیں۔ پھر سیرت البم ترتیب دیا۔ اس میں تحریروں اور تصویروں کا ایک خوبصورت امتزاج ہے جس سے سیرتِ طیبہ کے اکثر گوشے خودبخود روشن ہوتے چلے جاتے ہیں۔ . . . اس پر حکومت نے شاہ مصباح الدین شکیل کو ایوارڈ سے نوازا۔

اور حقیقی جزا تو وہ ہو گی جو دربارِ الٰہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ملے گی۔ میں اگر اس کتاب کا مختصر تعارفی تبصرہ لکھتا تو اس سے بہتر اور کیا لکھتا۔ کتاب میں سیرت سے متعلق ہر مقام اور موقع کی رنگین تصاویر شامل ہیں' اور چند ایک نقشے بھی۔ کاغذ دبیز' چکنا اور طباعت خوش نما ہے۔

ملک کے صحافی' وکلا' پروفیسر' جج اور اصحابِ عسکر کے علاوہ نوجوان طلبہ و طالبات اور دیگر فارغ التحصیل افراد اسے ضرور پڑھیں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں اور پبلک و پرائیویٹ لائبریریوں میں یہ موجود ہو۔ خاص طور پر دینی مدارس اور علمی و تحقیقی ادارے نور کی اس ندی سے جام و خم بھریں۔ ساتھ ہی اس ادارے کی شائع کردہ کتبِ سیرت کی طرف بھی توجہ کی جائے۔ خدا تعالیٰ مولف و مرتب اور ناشر ادارے اور اس کے افسروں کو جزائے موفور عطا فرمائے۔ آمین۔

(نعیم صدیقی)

سیرتِ حضرت ابوھریرہؓ : از طالب ہاشمی۔ ناشر: حرا پبلی کیشنز' اردو بازار' لاہور۔ قیمت ۸۴ روپے۔

جناب طالب الہاشمی کی ذات تو اب اپنے کارناموں اور خدمات کی وجہ سے محتاجِ تعارف نہیں۔ انھوں نے تصنیف کے لیے ایک ایسا مبارک میدان کار پسند کیا' جس میں کچھ کام تو ہو چکا تھا' مگر بھر پور خدمت کی سعادت طالب صاحب کو ملی۔ وہ مصنفین و مولفین کی معاصرانہ صف میں ایک بلند مقام پا گئے' جو ان کے لیے حسنتہ" فی الآخرۃ کی بشارت دیتا ہے۔

کیا سعادت ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ جماعتِ صحابہؓ کو جس نے اسلامی نظامِ حکومت و معیشت اور اسلامی تہذیب کو عملاً قرآن اور رسولؐ کی تعلیمات کے عین مطابق چلا کر دکھا دیا' اور بعد والوں کے لیے ان میں ہر فرد انسانی زندگی کا ایک معیاری نمونہ قرار پایا' طالب

ہاشمی صاحب نے ان ہستیوں کے حیرت انگیز کردار ہمارے سامنے تصویر بنا کر رکھ دیے ہیں۔

ان کی تازہ تر تالیف "سیرتِ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ" ہے۔ اس کتاب میں حضرت ابوہریرہؓ کے مجموعی حالات کے فریم میں ان کی حدیث کی خدمات کا خاص تذکرہ کیا ہے۔ قریباً" ڈیڑھ سو روایات کا تذکرہ ہوا ہے۔ علاوہ بریں جناب ابوہریرہؓ کے متعلق شبہات و اعتراضات اٹھانے والوں کے خیالات کی تردید کی ہے۔

جناب ابوہریرہؓ کا دورِ صفہ' والہانہ محبتِ رسولﷺ' عمرۃ القضا' حجِ اکبر اور حجتہ الوداع میں شرکت۔ پھر غزوات اور جہاد میں موصوف کا حصہ' امارتِ بحرین' امارتِ مدینہ' مسندِ قضا پر' خاصے اہم امور ہیں۔

۵۸ ہجری کے رمضان میں حضرت ابوہریرہؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ حضرت ابو سلمہؓ بن عبد الرحمان عیادت کے لیے آئے تو ان کی صحت کی دعا کی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: "اے اللہ! اب مجھے دنیا میں نہ لوٹا"۔ پھر ابو سلمہؓ سے کہا کہ "وہ زمانہ دور نہیں جب لوگ موت کو سرخ سونے کے ذخیرے سے زیادہ محبوب سمجھیں گے۔ تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ جب آدمی کسی مسلمان کی قبر سے گزرے گا تو تمنا کرے گا کہ اے کاش! بجائے اس کے میں اس قبر میں دفن ہوتا"۔ اب تو بڑے بڑے دینی رہنماؤں کو بھی ایسا احساس نہ ہوتا ہوگا' چاہے ان کے اور زمانے کے حالات بدتر ہوں۔

(نعیم صدیقی)

بہار کے پہلے پھول : از جیلانی بی اے۔ مرتبین : محمد نواز منہاس' عباس اختر اعوان۔ ناشر: مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور۔ صفحات ۳۰۴۔ قیمت ۱۲۰ روپے۔

جیلانی بی اے مرحوم بنیادی طور پر ایک ادیب اور افسانہ نگار تھے۔ اگر وہ افسانہ نگاری سے ہاتھ نہ کھینچ لیتے تو ان کا شمار اردو کے چوٹی کے افسانہ نگاروں میں ہوتا مگر انھوں نے (خدا جانے کیوں؟) کوچہ ادب کو خیرباد کہا اور خود کو "چودھری غلام جیلانی" تک محدود کر لیا۔ تاہم (غنیمت ہے کہ) قلم و قرطاس سے ان کا تعلق' صحافت کے حوالے سے تادمِ زیست قائم رہا۔ اس عرصے میں انھوں نے جو کچھ لکھا' اگرچہ وہ ان کی صحافتی ضرورت تھی مگر ان مختلف النوع تحریروں میں بھی سفرناموں' شخصی خاکوں' انشائیوں' افسانوں اور رپورتاژ کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ ان کی یہ تحریریں احساس دلاتی ہیں کہ وہ ایک بڑے ادیب ہیں۔

زیر نظر مجموعہ شخصیات پر ان کے چھوٹے بڑے ساٹھ مضامین اور تعزیتی شذروں اور خاکوں پر مشتمل ہے۔ بیشتر افراد کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے جیسے سید مودودیؒ، مسعود عالم ندوی، چودھری غلام محمد، جان محمد بھٹو، گلزار احمد مظاہری، خان سردار علی خاں وغیرہ۔ یہ سب (اور بہت سے دوسرے بھی) بقول جیلانی مرحوم: "فصل بہار تحریک اسلامی کے ابتدائی پھولوں میں سے تھے"۔ بعض عالم اسلام کی نامور شخصیات ہیں، جیسے: علامہ اقبال، مفتی اعظم امین الحسینی، شاہ فیصل شہید، اسماعیل راجی الفاروقی، سید قطب شہید، عبد القادر عودہ وغیرہ۔ بعض قومی اکابر کی صف میں آتے ہیں، جیسے: قائد اعظم، چودھری غلام عباس، چودھری محمد علی، میاں عبد الباری، فاطمہ جناح، آغا شورش کاشمیری وغیرہ۔ بعض تحریروں کی حیثیت مختصر صحافتی تعزیتی شذروں کی ہے، جن میں اعتراف عظمت ہے اور خراج عقیدت بھی، مگر چند افراد کے خاکے جیلانی مرحوم نے بہت ڈوب کر لکھے (جیسے بارک اللہ خاں، خان سردار علی خان، صاحبزادہ صفی اللہ، مولانا گلزار احمد مظاہری، خواجہ محمد رفیق شہید، ملک نصر اللہ خاں عزیز، جان محمد بھٹو)۔ یہ خاکے دلچسپ ہیں اور لکھنے والے کی دردمندی و دل سوزی اور ایک ادیب کی مخصوص رومانوی افتاد طبع کے عکاس ہیں۔ جیلانی مرحوم ادبیات شرق و غرب کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے، اور ان کی تحریروں کے پس پردہ اس کی واضح جھلک ملتی ہے۔ ان کی طبیعت کی رومانیت کبھی تو گردوپیش کے مناظر اور فطرت کے حسن و جمال کو سراہتی ہے اور کبھی وہ تحریک اسلامی کے ماضی اور بہار کے ابتدائی پھولوں کا قصہ چھیڑ دیتے ہیں۔ زیر نظر تحریروں میں آپ افسانے کا لطف بھی پائیں گے اور سفرنامے، انشائیے اور خود نوشت کی دل کشی بھی، حتیٰ کہ چند مقامات پر جاسوسی کہانی کا سا سسپنس بھی۔ ان کا استدلال ذہن کو اپیل کرتا ہے اور اسلوب تازہ در دل پر دستک دیتا ہے۔ ایسی دل کش اور خوب صورت نثر لکھنے والے خال خال ہیں۔ جن لوگوں نے جیلانی کی صحبت اٹھائی، وہ جانتے ہیں کہ مرحوم کی گفتگو سے ظرافت و مزاح کا بھرپور اظہار ہوتا تھا مگر ان مضامین میں وہ ایک منکسر المزاج، دل نواز دانش ور اور فلسفی ادیب کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔

ان خاکوں اور حاشیوں سے خود ان کا اپنا ایک خاکہ مرتب ہوتا ہے۔ بہار کے ابتدائی پھولوں کی خوشبو بانٹنے والا، خود بھی انھی پھولوں میں سے ایک تھا۔

معیار طباعت اچھا ہے، مگر افسوس ہے کہ کتاب کی تدوین خاطر خواہ طریقے سے نہیں کی گئی۔ کتاب بہر حال پڑھنے کے لائق ہے۔

(رفیع الدین ہاشمی)

سوویت یونین کا زوال: از عطاء الرحمن۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، مرکز ایف سیون، اسلام آباد۔ مجلد ۲۶۰ صفحات۔ قیمت ۹۰ روپے۔

زیر نظر کتاب، رواں صدی کے اوائل میں روس کے افق سے اٹھنے والے اس نظری سیاسی اور استعماری طوفان کا تذکرہ ہے، جس نے نصف صدی سے بھی کم عرصے میں، ایک منہ زور آندھی کی طرح دنیا کے ایک بڑے حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا مگر اگلے چند برسوں کے اندر یہ طوفان، ہوا کے بلبلوں کی طرح فنا کے گھاٹ اتر گیا۔ بقول پروفیسر خورشید احمد: مولف نے ذہن کشا، مدلل اور متوازن انداز سے حقائق کا معروضی مطالعہ پیش کیا ہے۔ مارکسی فکر کے بنیادی سر چشموں کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کے غیر فطری رویوں کو سادہ اور عام فہم دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مولف کو ماسکو اور وسطی ایشیا جانے کا موقع ملا، چناں چہ یہ کتاب ان کے مطالعے اور عینیت بھر چشم دید مشاہدے پر مبنی ایک فکری سفر نامہ ہے۔ "سوویت یونین کا زوال" اس اعتبار سے ایک منفرد کتاب ہے کہ مولف نے اختصار اور جامعیت سے چوہتر سالہ ایمپائر کے خدوخال ابھارنے کے ساتھ ساتھ اس امراض کی فہرست بھی مرتب کر دی ہے۔ نیز اشتراکی ایمانیات، نظریہ قدر زائد، پرولتاری آمریت، اور جدلی مادیت کے فکری اور عملی دعووں کا تجزیہ بھی کیا ہے۔

پروفیسر خورشید احمد نے کتاب کے دیباچے میں سوویت یونین کے زوال کے نتیجے میں پیدا ہونے والے انسانیت کے فکری، سماجی، معاشی اور سیاسی مستقبل سے متعلق فکر انگیز سوالات اٹھائے ہیں۔

کتاب کے آخر میں آج کی رشین فیڈریشن کے سامراجی دامن سے بہ امر مجبوری وابستہ چھوٹی چھوٹی خود مختار مسلم ریاستوں کے تازہ ترین احوال اور وہاں کی مسلم قومی اور اسلامی تحریکوں کے عزائم و آلام کی مختصراً تصویر کشی بھی کی گئی ہے۔ سماجی علوم اور اسلامی تاریخ کے شناوروں کے لیے یہ ایک مفید مطالعہ کتاب ہے۔ (سلیم منصور خالد)

وضاحت

۱- ترجمان القرآن میں ترجیحاً دینی اور علمی کتابوں پر تبصرے شائع کیے جاتے ہیں۔

۲- تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں۔

۳- تبصرے کے لیے مطبوعات براہ راست: مدیر ترجمان القرآن منصورہ، لاہور ۵۴۵۷۰ کو بھیجی جائیں۔

Backliner

احباب بارہ
ملتان روڈ لاہور

گلشن احباب
فیز I ملتان روڈ لاہور

گلشن احباب
فیز II ٹھوکر نیاز بیگ فیروز پور روڈ لاہور

منظر کوہسار
اسلام آباد

شاداب کالونی
فیروز پور روڈ لاہور

پانچ رہائشی منصوبوں کی شاندار کامیابی کی حامل اور آپ کے کامل اعتماد کی مظہر

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی (پرائیویٹ) لمیٹڈ



اسلام آباد سے متصل مرگلہ ہلز کے
حسین دامن میں ایک نیا دلپذیر شہر

منظرِ کوہسار

ترقیاتی کام جاری ہیں

ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ حکومت پنجاب اور
ڈسٹرکٹ کونسل راولپنڈی سے منظور شدہ سڑکیں
سیوریج، بجلی، پانی، سکول، کمیونٹی سنٹر، قبرستان
مسجد اور ہسپتال، خوبصورت جھیل

۳۱ جولائی تک رعایتی قیمت پر
سولہ ہزار روپے فی مرلہ بمعہ ترقیاتی اخراجات
باقی رقم تین سال کی قسطوں میں،
تین ہزار روپے فی مرلہ کا ڈرافٹ بھیج کر
بکنگ کرالیں پلاٹ ۲ کنال ۱۰ مرلہ
۵ مرلہ۔ کنال = ۶۰۰ مربع گز
خصوصی رعایت سے فائدہ اٹھائیں۔

فیروز پور روڈ پر چونگی امرسدھو سے ۲ کلومیٹر

ایل ڈی اے سے منظور شدہ

شاداب کالونی

کشادہ سڑکیں، خوبصورت پارکیں، مسجد ڈسپنسری،
سکول، مارکیٹیں، ٹیلیفون اور سوئی گیس کی سہولت
موجود۔ سکول کالج اور بڑے ہسپتال قریب تر
ترقیاتی کام جاری ہیں۔ کنال = ۵۰۰ مربع گز

قیمت ۲۰ ہزار روپے فی مرلہ بمعہ ترقیاتی اخراجات
ایک ہزار روپے فی مرلہ کی رعایت
۳۱ جولائی تک بڑھا دی گئی ہے۔
۳ ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے بکنگ کرالیں
باقی رقم تین سال کی آسان قسطوں میں
پمفلٹ مفت منگوائیں۔

گلشن احباب فیز II ٹھوکر نیاز بیگ میں پلاٹوں کی بکنگ جاری ہے

شاداب کالونی فیروز پور روڈ میں کمرشل پلاٹوں کی بکنگ جاری ہے

تحریک اسلامی سے
وابستہ افراد کا با اعتماد ادارہ

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی پرائیویٹ لمیٹڈ

شریف چیمبر 68 مزنگ روڈ لاہور فون 6361501-6366005-304754 فیکس 6369520

REGD. NO. L 5340
Back
PHONE : 7234014
7236665
MONTHLY TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE